ہفت روزہ
ندائے خلافت
۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء

☆ محمد رسول اللہ ﷺ، انسانیت جن پر ناز کرتی ہے
☆ چار صوبوں کی بجائے نئے چھوٹے صوبوں کی جانب پیش رفت
☆ دو عشرے وطن سے دور رہنے والے ایک پاکستانی کے تاثرات

<u>حدیث امروز</u>

مَردے از غیب

جناب معین قریشی نے سینٹ میں نگران حکومت کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ ان کی طویل گفتگو کا خلاصہ اگر ایک دو جملوں میں بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ ان کی ذمہ داری تو بس اتنی ہی تھی کہ قومی سیاست کو بند گلی میں سے نکالنے کی غرض سے صاف ستھرے انتخابات کروا کے اپنی راہ لیں لیکن انہیں تین مہینے ہی کے لئے سہی، ملک کو چلانا بھی تو تھا۔ حکومت کی زمام کار ہاتھ میں لی تو انہیں معلوم ہوا کہ معاملات کی کوئی کل سیدھی نہیں اور بالخصوص مالیات کے شعبے میں تو پانی سر سے گزر چکا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ چند دن اور یہی لیل و نہار رہتے تو ملک کا دیوالہ نکل چکا ہوتا کیونکہ جانے والی سیاسی حکومت نے خزانہ خالی کر دیا تھا اور یہ کہ خوشحالی کے سبز باغ، عظیم الجثہ ترقیاتی منصوبوں کی چکا چوند اور زر مبادلہ میں "فتوحات" کی ملک کی جانب بہتی اور لہریں مارتی جوئے آب وغیرہ سب کا سب محض نظربندی کا کمال تھا۔ ان کی باتوں میں سچ کی جو مہک تھی، وہ اپنی جگہ، آثار و قرائن نے بھی اس الزام کی تصدیق ہی کی ہے۔

بعض حلقوں میں سمجھا گیا اور ہم نے بھی پچھلی دفعہ اسی اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ نگران وزیر اعظم جناب معین قریشی پاکستان میں امریکہ کے مقاصد کے حصول کی غرض سے بھیجے گئے ہیں۔ واقعات کی رفتار نے اس "سوء ظن" کو تقویت دی اس کے علاوہ یہ موضوعات بھی بجا طور پر زیر بحث اور محل نظر ہیں کہ ان کا مینڈیٹ کیا ہے اور کس سے انہیں ملا۔ پارلیمنٹ کا جزو اعظم یعنی قومی اسمبلی کا ایوان مع وزیر اعظم ان کی تقرری کے وقت موجود نہ تھا اور اگرچہ پروانہ تقرری صدر مملکت کی طرف سے ہی جاری ہوا لیکن ایسے عالم میں کہ خود ان کا بستر گول ہو چکا تھا، اقتدار کی تکون کی چولیں ہل گئی تھیں اور اس کا صرف ایک ضلع یعنی فوج کا ادارہ علیٰ حالہ برقرار تھا۔ گویا اس بات کو طے شدہ امر سمجھنا کچھ زیادہ دشوار نہیں کہ نگران وزیر اعظم کو مینڈیٹ فوج سے ملا جو بظاہر بس یہ تھا کہ نوے دن کی دستور میں مقرر کردہ مدت کے اندر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ الیکشن کرا دیں اس مینڈیٹ میں ہماری مالیاتی "ناہمواریوں" کے ازالے اور پکڑ دھکڑ کا اضافہ کس نے کیا جس کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے اور معیشت کو ورلڈ بینک کے علاوہ آئی ایم ایف کے دیئے ہوئے خطوط پر استوار کرنے کا مشن کس نے سونپا جس پر پورے التزام کے ساتھ عمل ہو رہا ہے؟۔ اسی سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ امریکہ نے اور اسی جواب کا ضمیمہ یہ ہے کہ فوج نے بھی اپنے فرائض سے ماورا جو قدم اٹھایا وہ امریکہ ہی کے اشارے پر اٹھایا گیا۔

ہم سمیت اس وہم میں مبتلا ہونے والے ملک و قوم کے بہی خواہ اگر سوء ظن اور نیت پر حملہ آور ہونے کے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو اللہ معاف کرے تاہم حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے اشارہ ابرو کو جاننے اور ماننے میں تو ہماری ہر سابق حکومت ایک دوسرے سے بڑھ کر مستعدی کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ ان میں سے کسی نے جب کبھی ایک آدھ معاملے میں پس و پیش کیا، اس کی شامت نے اسے آن لیا اور یہ باتیں راز ہرگز نہیں رہیں۔ سو اب انگریزی محاورے کے مطابق پیر گھسیٹنے والی حکومتوں کی جگہ امریکہ نے سیدھے سبھاؤ اپنا آدمی متعین کر دیا ہے تو ہمیں چیں بہ جبیں نہیں ہونا چاہئے البتہ معین قریشی صاحب پر یہ پوری طرح واضح کر دیا جانا چاہئے کہ کم از کم کشمیر کے مسئلے اور جوہری صلاحیت کے معاملے میں کسی فیصلہ کن اقدام کو وہ بہر صورت سیاسی حکومت کے زمام اقتدار سنبھالنے تک التواء میں رکھیں گے۔ انہوں نے قوم کے وسائل کی "لوٹ سیل" لگانے اور انہیں گھر والوں میں ریوڑیوں کی طرح بانٹنے والوں کو بے نقاب کر کے اور ہیروئن فروشوں کے نام زبان پر لا کر وہ کارنامہ انجام دیا جس کی ہمت ہمارے مطلق العنان حکمران بھی نہ کر سکے تھے۔ ایسے جتنے بھی کام وہ کر سکیں، سر آنکھوں پر لیکن دنوں ہفتوں میں وہ آخر کیا کچھ کر پائیں گے؟۔ لوٹی ہوئی رقموں کے اعلان اور کالے دھندوں میں ملوث لوگوں کی نامزدگی سے کیا حاصل ہو گا اگر مال برآمد نہ ہو اور مگرمچھوں کو گرفت میں نہ لایا جا سکے؟؟ اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ قوم کو اپنے عوارض کے علاج کے لئے کیا ہمیشہ مردے از غیب کا ہی انتظار کھینچنا ہو گا۔۔۔ OO

قیمت ۵ روپے

تحریک کے ناظم اعلیٰ نے ملک گیر دورے شروع کر دیئے

وقائع نگار

وسط اگست میں تحریک خلافت پاکستان کے علاقائی سطح پر تعارف کے سلسلے میں ایک پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جس میں آئندہ دو ماہ کے دوران تمام خلافت کمیٹیوں کے حلقوں میں ایک ایک جلسہ خلافت' ایک پریس کانفرنس اور علاقائی خلافت کمیٹی کے اراکین کی میٹنگ طے کی گئی۔ تمام پروگراموں میں شرکت کے لئے تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ محترم میجر جنرل ریٹائرڈ ایم ایچ انصاری اور تحریک کے سیکرٹری کا جانا طے ہوا۔

اس سلسلے کا پہلا پروگرام تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے تحت ۱۹/اگست کو فیروز والا میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ سے مرزا ندیم بیگ سیکریٹری حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن' جناب نعیم اختر عدنان اور جنرل انصاری صاحب نے خطاب فرمایا۔ اس جلسے کی مفصل رپورٹ علیحدہ شائع کی جائیگی۔

ملتان کے جلسے کے مقررین (دائیں سے بائیں) جناب سعید اظہر عاصم' انجینئر مختار حسین فاروقی' جناب عبدالرزاق اور میجر جنرل ریٹائرڈ محمد حسین انصاری

دوسرے پروگرام کے مطابق حلقہ لاہور ڈویژن کے تحت ۲۶/اگست ۹۳ء کو والٹن میں جلسہ خلافت منعقد ہوا جہاں مرزا ندیم بیگ اور مولانا حبیب الرحمٰن کے علاوہ سید معین الدین شاہ صاحب اور جنرل ایم ایچ انصاری صاحب نے خطاب فرمایا۔ (اس کی رپورٹ زیر نظر شمارے میں ہی موجود ہے)

تیسرا پروگرام ۳۰ اور ۳۱/اگست کو ملتان میں ہوا۔ اس پروگرام کے لئے محترم جنرل صاحب اور سیکرٹری تحریک جناب عبدالرزاق ۳۰/اگست کو ملتان پہنچے۔ نماز عشاء کے بعد دولت گیٹ ملتان کے باہر چوک میں جلسہ خلافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس جلسے کی اطلاع کے لئے ساتھیوں نے شہر میں مختلف مقامات پر بڑے بڑے بینرز آویزاں کئے تھے اور گاڑی پر لاؤڈ سپیکر نصب کر کے اعلان بھی کیا تھا۔ جلسے سے جناب سعید اظہر عاصم' جناب مختار حسین فاروقی اور جناب عبدالرزاق نے خطاب کیا جبکہ آخر میں خصوصی خطاب کے لئے محترم جنرل صاحب کو دعوت دی گئی۔ جنرل انصاری نے اپنے مخصوص انداز میں عوام کو موجودہ حالات میں نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت سے روشناس کروایا اور انتخابی سیاست سے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے نصف صدی کے لگ بھگ نیم کے درخت سے آم کا پھل حاصل کرنے کی کوششوں میں ضائع کر دی ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ میں نے ملک کی عملی سیاست میں بھرپور حصہ لیا ہے اور اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ مزید نصف صدی بھی اگر ہم اس ظالمانہ نظام کو لے کر چلتے رہے تو اسلام اس ملک میں نہیں آسکے گا۔ انہوں نے مغرب سے درآمد شدہ جمہوریت کو موجودہ جاگیردارانہ نظام میں اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نظام خلافت ہی ہماری تمام مشکلات کا واحد حل ہے اور اس نظام کو لانے کے لئے انقلابی انداز میں (باقی صفحہ ۱۸ پر)

دولت گیٹ ملتان میں تحریک خلافت پاکستان کے غیر روایتی جلسے میں حاضرین نے بھی غیر معمولی سنجیدگی کا ثبوت دیا

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۲ شمارہ ۳۶

۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء

16

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۵/- روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۰۰/- روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ــــــ ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ــــــ ۸ ″ ″
افریقہ، ایشیا، یورپ ــــــ ۱۲ ″ ″
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ــــــ ۱۷ ″ ″

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

اکتوبر کے مجوزہ عام انتخابات کی تیاریوں میں اب زور کے ساتھ شور بھی آتا جا رہا ہے اور ہمارے پرچے میں اس پر کسی جوش و خروش کی عدم موجودگی عام قارئین کے لئے حیران کن ہوگی لیکن تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان سے وابستگی رکھنے والوں کو معلوم ہے کہ ہم اس ہنگامہ ہاؤ ہو میں فریق ہیں نہ شریک' صرف دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم کو بدستور ہمارے شامل حال رکھیں اور اس گرما گرمی میں سے ملک و قوم کے حق میں کوئی خیر ہی بر آمد ہو۔ البتہ جماعت اسلامی کا "پاکستان اسلامک فرنٹ" کے بہروپ میں کھل کھیلنا ہمارے ساتھیوں کے لئے صدمے کا باعث ضرور بنا ہے۔ اس صدمے کے اظہار پر بھی ہم اپنے اللہ سے شکوے ہی کو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ منظم گروہ بھی جس کی اٹھان ایک اصولی' اسلامی' انقلابی جماعت کے طور پر ہوئی تھی' ایسی اوچھی حرکتوں پر اتر آیا ہے جن کے سامنے مادر پدر آزاد سیاسی جماعتوں کے ہتھکنڈے بھی پانی بھرتے ہیں۔ بایں ہمہ نثار احمد ملک صاحب کی ایک مختصر تحریر کو ہم روک نہیں سکے جس میں انہوں نے اپنے جذبات کو شائستگی کی زبان دی ہے۔

مرزا ایوب بیگ صاحب تاریخ سیاسیات پاکستان پر سلسلہ وار لکھ رہے ہیں۔ ان کے مضامین پر بعض حلقوں کی طرف سے اعتراض اٹھایا گیا کہ مستند حوالوں کا ذکر کئے بغیر ایسے موضوعات پر لکھنا تحقیق و تدوین کی حق تلفی کے مترادف ہے اور مضمون نگار نے کبھی کسی حوالے کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ ان کی صفائی میں ہماری گزارش یہ ہے کہ مرزا ایوب بیگ تاریخ نگاری نہیں کر رہے' صرف یاد دہانی کرا رہے ہیں۔ وہ داستاں جسے ہم بھول بیٹھے اور ہماری نئی نسل کو جس کی ہوا بھی نہیں لگی' اسے ذہنوں میں تازہ کرنا مقصود ہے۔ اس کی بعض تفصیلات میں کچھ کمی بیشی بھی ہو گئی ہو تو اس سے فرق کیا پڑتا ہے' بس یہ دیکھئے کہ واقعات و حوادث میں ربط باہم بھی موجود ہے یا نہیں!۔

جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد ایک پاکستانی نوجوان بیس برس پہلے تلاش معاش میں نکل کھڑا ہوا اور متعدد عرب ممالک میں طویل قیام اور دیار مغرب کو قریب سے دیکھنے کے بعد مائل بہ سفیدی بالوں کے ساتھ اب ارض وطن کو اپنا مسکن بنانے کے لئے واپس آیا ہے تو اس کا درمند دل خون کے آنسو روتا ہے۔ امت مسلمہ کو اس نے اسفل السافلین میں سرگرداں دیکھا ہے جس کی تخلیق احسن تقویم پر ہوئی تھی۔ پاکستان سے وابستہ اس کی توقعات بھی ڈھیر ہوئی جاتی ہیں۔ اس نے اپنے دل کے درد کو قلم کی مدد سے قرطاس پر بکھیر دیا ہے جس کی ترجمانی آپ اس شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ وہ وطن سے دور رہے لیکن اگر ان کے جذبات صادق ہیں تو یہ کہنے کا حق وہ رکھتے ہیں کہ ؎

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

درد مشترک کتنے ہی ہوش مندوں کو ہمارے قریب کھینچ لاتا ہے جس کے بعد یہ ذمہ داری ہمارے ساتھیوں کی ہے کہ ان کے ذہنوں میں ابھرتے سوالوں کے ایسے مدلل جواب دیں جو اطمینان بخشنے کے علاوہ ان میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ بھی پیدا کرتے ہوں۔ ہم کے۔ ایم۔ اعظم صاحب کو "ندائے خلافت" میں خوش آمدید کہتے ہیں۔

مائیکل ہارٹ کی کتاب "دی ہنڈرڈ" میں رسول اکرم ﷺ کو انسانیت کا گل سرسبد قرار دیا گیا جس کی سزا مصنف کو مغرب نے یہ دی ہے کہ خود اس کا نام حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ ہم نے کوشش کی تھی کہ اس کی کتاب کے متعلقہ حصے کے ساتھ جسے ڈاکٹر محمد عثمان نے بڑی عرق ریزی سے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے' خود مصنف کا بھی کچھ تعارف شائع کر سکیں لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ مائیکل ہارٹ کا نام کسی "WHO IS WHO" میں بھی موجود نہیں۔

آپ نے دیکھا ہے کہ پچھلے شمارے سے ہم نے اپنے مختصر ادارتی نوٹ کو سرورق پر دینے اور اس جگہ افتتاحیہ کی بجائے قارئین سے براہ راست گفتگو کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس تبدیلی پر آپ کی آراء کا انتظار ہے۔OO

الہدیٰ

سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۵

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہم پلہ بناتے ہیں' وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنی چاہئے'

(کہ اللہ کے وجود اور اس کی صفات کمال کی نشانیاں تو اس کائنات کے چپے چپے اور ذرے ذرے میں موجود ہیں لیکن یہ امر باعث تعجب ہے کہ دنیا میں کچھ ایسے کور چشم لوگ بھی موجود ہیں جو اللہ کے مقابلے میں نہایت کمتر ہستیوں کو اس کا شریک اور ساجھی ٹھہراتے ہیں۔ وہ انہیں محض زبانی کلامی اللہ کا ہم سر اور ہم پلہ قرار دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ قلبی طور بھی ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنی چاہئے۔ یہاں اس اہم حقیقت کی جانب اشارہ موجود ہے کہ اللہ کو اپنا معبود مان کر اسکی پرستش کرنے اور اسے مرکز محبت بنانے کا جذبہ ہر انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ موجود ہے۔ جو لوگ اپنی کوتاہ نظری کے سبب سے اللہ کو پہچاننے اور اسکی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ کسی کمتر ہستی کو معبود کا درجہ دے کر اس سے اسی طرح محبت کرنے لگتے ہیں جس طرح کہ انہیں اللہ سے کرنی چاہئے تھی۔ کسی نے ستاروں کو اپنا معبود قرار دے کر کواکب پرستی اختیار کی' کسی نے سورج کو دیوتا مان کر اس کی پوجا شروع کر دی' کوئی اس درجے ذہنی پستی کا شکار ہوا کہ خود اپنے ہاتھ سے بت بنا کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا' کسی نے دنیا اور اس کی زیب و زینت سے مرعوب ہو کر حصول دنیا ہی کو مقصود و مطلوب کا درجہ دے دیا اور "کوئی اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں" کے مصداق اپنی خواہشات نفس ہی کو معبود کا درجہ دئے بیٹھا ہے اور کمال شوق کے ساتھ اپنی ہی حریم ذات کا طواف کئے چلا رہا ہے! یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے معبود برحق کو پہچاننے کے لئے ان صلاحیتوں کو استعمال نہیں کیا جو انہیں اللہ نے اس کام کے لئے عطا کی تھیں اور اپنی کوتاہ نظری اور کج فکری کے باعث کفر و شرک کی گمراہی میں مبتلا ہوئے!)

اور جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں'

(ہاں' جو لوگ فی الواقع اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں' جو اللہ ہی کو معبود حقیقی قرار دیتے' اور اسی کو مطلوب و مقصود کا درجہ دیتے ہیں' ان کے دلوں میں اللہ کی محبت اس طور سے جاگزیں ہے کہ دوسری تمام محبتوں پر حاوی ہے۔ وہ اللہ کی محبت میں اس طرح سرشار ہیں کہ دیگر تمام طبعی محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہیں۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہی ان کی زندگی کا مقصد وحید ہے۔ اللہ کے ہر حکم کی بجا آوری میں وہ پیش پیش ہی نہیں رہتے' ان کی ہر ادا سے جذبہ شوق بھی صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔)

اور اگر یہ ظالم اس وقت کو دیکھ سکتے جبکہ یہ عذاب سے دوچار ہونگے کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو حاصل ہے اور یہ کہ اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے○

(اور یہ ظالم جو اس دنیا میں اللہ کو فراموش کر کے نہایت کمتر اور لاچار ہستیوں کو اپنا معبود قرار دئے بیٹھے ہیں' جب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے' اس روز اصل حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی اور وہ جان لیں گے کہ سارا زور اور اختیار تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور ظالموں کے لئے اس نے شدید ترین عذاب تیار کر رکھا ہے!)

چار صوبوں کی بجائے نئے چھوٹے صوبوں کی جانب پیش رفت

"ضلعی حکومت" کی تجویز کا پس منظر کیا ہے؟

پیپلزپارٹی کے تازہ منشور کے ایک اہم نکتے کی خوبیاں اور خرابیاں

عبدالکریم عابد

پاکستان پیپلزپارٹی کے منشور میں "ضلعی حکومت" کی تجویز ایک چونکادینے والی تجویز ہے۔ اس تجویز کی وجہ سے پارٹی کا منشور دیگر جماعتوں سے بنیادی طور پر مختلف ہوگیا ہے۔ ہماری سیاسی جماعتوں کے منشور بالعموم رسمی اور نمائشی ہوتے ہیں جس میں ہر طرح کی نیک خواہشات کا اظہار کردیا جاتا ہے اور سب طرح کے وعدے کرلئے جاتے ہیں لیکن ہربار پیپلزپارٹی نے ایک مختلف نوعیت کا منشور پیش کیا ہے اور جمہوریت کو لوگوں کے گھر کے دروازے تک پہنچادینے کے عنوان سے ایک نیا سیاسی اور انتظامی ڈھانچہ تجویز کیا ہے۔ اس کے نفع نقصان اور مضمرات پر اچھی طرح غور ہونا چاہئے۔ فی الحال تو یہ ایک تجویز ہی ہے اور پیپلزپارٹی انتخابات میں کامیابی حاصل کرلیتی ہے تب بھی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دو تہائی اکثریت درکار ہوگی جو پارٹی کے پاس نہیں ہوگی تاہم پارٹی اپنی اس تجویز کی حمایت میں دوسری جماعتوں کی حمایت حاصل کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس تجویز کے بارے میں لوگوں کو مطمئن کردے کہ یہ واقعی ایک اچھی تجویز ہے اور اس میں کوئی خطرہ نہیں۔

جہاں تک تبدیلی کا تعلق ہے، اس کی ضرورت واضح ہے۔ نظام کی تبدیلی ضروری ہوگئی ہے، خاص طور پر وہ انتظامی ڈھانچہ جو سامراجی عہد میں سامراجی ضروریات کی تکمیل کے لئے بنا تھا اور جسے ہماری افسر شاہی اور فوجی آمریت نے اپنے اغراض کے لئے مسلسل مسخ کیا۔ وہ ایک لعنت کی شکل اختیار کرچکا ہے۔ پٹواری، تحصیلدار، تھانیدار، ڈپٹی کمشنر کے ہاتھوں میں طاقت کا ارتکاز اس جمہوریت سے ختم نہیں ہوسکتا جو اوپر ہی اوپر ہو اور جس کی زمین میں کوئی جڑ نہ ہو۔ سینٹ، قومی اور صوبائی اسمبلی کے زیر سایہ نوکر شاہی کا فرسودہ اور مسخ شدہ نظام نہ صرف اپنی ذات میں غیر جمہوری اور غیر انسانی ہے بلکہ اس کی موجودگی میں انتخابات اور اسمبلیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے تبدیلی کی ضرورت ہر شخص محسوس کرتا ہے اور تبدیلی کیا ہو اس کا ایک ٹھوس طریقہ پر جواب پیپلزپارٹی نے دیا ہے جو بعض لوگوں کو صحیح اور بعض کو غلط نظر آئے گا لیکن بہرصورت یہ ایک مستحسن بات ہے کہ تبدیلی کے لئے سوچا گیا اور کچھ تجویز بھی کیا گیا جب کہ مسلم لیگ کے منشور میں یہ خانہ خالی ہے۔

ضلعی حکومت کے عنوان سے پیپلزپارٹی کی اس نئی تجویز پر میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ پیپلزپارٹی کی اپنی تجویز نہیں کیونکہ اس کا مزاج اور ذہن "صوبائی خودمختاری" کا تو ضرور رہا ہے لیکن ضلعی خودمختاری کا صحیفہ پیپلزپارٹی پر کسی آسمان غیب سے نازل ہوا ہے اور بے نظیر نے اسے حکم الہی کی طرح اٹل سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔ وہ عالم بالا جہاں سے "ضلعی خود مختاری" کے نظریہ کا نزول ہوا ہے، دو ہوسکتے ہیں۔ پہلی بات یہ ممکن ہے کہ امریکہ نے محترمہ کو یہ نسخہ تھمایا ہو۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ فوج کے مقتدر حلقوں نے بے نظیر صاحبہ کو نیا لائحہ عمل دیا ہو کیونکہ اب فوج اور پیپلزپارٹی بہت قریب آچکے ہیں اور محترمہ ہر بات جنرلوں کی خوشنودی کے مطابق اور ان سے پوچھ پوچھ کر ہی کرتی ہیں۔ یہ منشور بھی عوام میں پیش ہونے سے پہلے سابق صدر غلام اسحاق کی معرفت اوپر کے حلقوں میں گیا تھا جہاں ضروری اصلاح و ترمیم کے بعد اسے نئی شکل دی گئی اور عوام میں پیش کرنے کے لئے منظور کرلیا گیا۔ "نوائے وقت" میں یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ منشور صلاح مشورہ کے لئے سابق صدر اسحاق کو بھیجا گیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ محترمہ نے منشور کے سلسلہ میں مقتدر طبقہ اور اس کے خیالات کو اہمیت دی ہے۔

"ضلعی حکومت" کی تجویز در اصل ہر ضلع کو صوبہ بنانے کی وہ پرانی تجویز ہے جو بار بار مختلف لوگ دہراتے رہے ہیں۔ مولانا ظفراحمد انصاری مرحوم نے بھی اپنے دستوری کمیشن کی سفارشات میں چار صوبوں کی جگہ بہت سے نئے صوبے بنانے کی تجویز دی تھی لیکن ضیاء الحق صاحب "سٹیٹس کو" کے آدمی تھے وہ طبعاً ہر تبدیلی سے خائف تھے۔ اس لئے مولانا کی سفارشات میں بھی انہیں صرف ایک ہی چیز پسند آئی کہ سیاسی جماعتیں خلاف اسلام ہیں اور صوبوں کی تشکیل نو کی تجویز بھی باقی سفارشات کی طرح جنرل ضیاء کی توجہ حاصل نہیں کرسکیں لیکن عرصہ سے موجودہ لسانی صوبوں کی جگہ انتظامی بنیاد پر نئے صوبوں کا مطالبہ ہو رہا تھا جس کے انتظامی یونٹ چھوٹے چھوٹے ہوں۔ اس تجویز کے حامی کہتے تھے کہ اس طرح لسانی عصبیتوں اور جھگڑوں کا حل نکل سکتا ہے

کیونکہ ہمارے صوبے یک لسانی نہیں ہیں' ان میں مختلف لسانی گروہ جمع ہیں اور صوبائی خودمختاری کے بعد طاقتور صوبہ ایک لسانی گروہ کے لئے تو مفید ہے مگر دوسروں کے لئے بے چینی اور احساس محرومی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بلوچستان میں پختون بلوچی جھگڑا اور سندھ میں سندھی مہاجر تنازعہ اور بڑھ جاتا ہے۔

اب پنجاب میں بھی پنجابی سرائیکی تضاد سامنے آ رہا ہے۔ اس صورت حال میں چھوٹے صوبے اس تضاد کو ختم کریں گے اور سب لوگ مطمئن ہوں گے کہ ان پر صوبہ کی ناپسندیدہ اور ناجائز حکومت نہیں ہے۔ مگر ہمارے سیاسی لوگوں کو یہ تجویز کبھی پسند نہیں آئی' سب نے اس کی مخالفت کی ہے' خاص طور پر پیپلزپارٹی کے سندھی عناصر "اکھنڈ سندھ" کے بڑے حامی رہے ہیں اور کسی بھی نئے صوبہ کے نام پر وہ بھڑک اٹھتے تھے کہ یہ ہماری مادر وطن کی بندر بانٹ ہو گی۔ مگر اب جو تجویز محترمہ نے پیش کی ہے' وہ بالکل نئے صوبوں کی ہے۔ جب ہر ضلع کی اسمبلی ہو گی' کابینہ کے دس وزیر ہوں گے اور ایک گورنر ہو گا تو یہ صوبہ نہیں تو کیا ہو گا؟ اس لئے لازماً اس تجویز کے خلاف سندھ میں شدید ردعمل سامنے آئے گا اور مرتضیٰ بھٹو سیاست میں آ رہے ہیں تو وہ اس صورت حال کا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور ایک شور برپا ہو گا کہ سندھ کے جسم سے اس کے اعضاء نوچ نوچ کر الگ کئے جا رہے ہیں۔

سندھی اخبارات اسے "جناح پور" کی جانب ایک قدم بھی قرار دیں گے مگر سندھ ہی نہیں پنجاب میں بھی اس کی مخالفت ہو گی اس لئے کہ پنجاب کی بھی وحدت و سالمیت اس سے متاثر ہو گی۔ چودھری شجاعت نے پہلے ہی بیان دے دیا ہے کہ یہ محترمہ نے پاکستان کے ٹکڑے کرنے کی نئی سازش کا آغاز کیا مگر یہ بیان مخالفت برائے مخالفت ہی نظر آتا ہے اور جذباتیت کی بجائے گہری سوجھ بوجھ کے ساتھ اس تجویز کے حسن و قبح کا جائزہ لینا ہو گا اور اس پر کافی بحث چلنی چاہئے اور اس کے بعد حتمی نتیجہ پر پہنچنا چاہئے۔ جلد بازی میں اسے قبول کرنا یا مسترد کرنا غلط ہو گا۔

"ضلعی حکومت" کے نتیجے میں یقیناً انتقال اقتدار بیوروکریسی سے منتخب نمائندوں کو ہو سکتا ہے۔ مغربی ملکوں میں بلدیات اور لوکل باڈیز کا نظام ایسا ہی ہے۔ ان کے پاس کافی اختیارات ہوتے ہیں اور کاؤنٹیز کے اختیارات سے اوپر کی حکومتیں کمزور نہیں ہوتیں بلکہ مضبوط ہوتی ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہو سکتا ہے مگر تصویر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہمارے یہاں جاگیردارانہ نظام اور برادری کی قوت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ بہت سے اضلاع میں تو یہ ضلعی سطح پر پہلے ہی خاصی مقتدر حیثیت رکھتی ہے اور ان کا مزید ارتکاز "ضلعی حکومت" میں ہو سکتا ہے۔ اس خدشہ کا احساس پیپلزپارٹی کے منشور سازوں نے بھی کیا ہے اور اس کے ازالہ کے لئے انہوں نے تجویز رکھی ہے کہ ایک خصوصی ٹاسک فورس ہو جو اس امر کی نگرانی کرے کہ اضلاع کی منتخب حکومتیں اپنے اختیار کا ناجائز استعمال تو نہیں کر رہی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو یہ ٹاسک فورس اس کی نشان دہی کرے گی اور صوبہ کا جو "گورنر جنرل" ہو گا وہ اس کا ازالہ کرے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ منتخب حکومت میں بیوروکریسی کو پورا تحفظ دیا جائے گا اور افسران کی جانب سے بے باکی سے اپنی رائے پیش کرنے کی حوصلہ افزائی ہو گی اور منتخب افراد کی رائے جب سرکاری افسروں کی رائے سے مختلف ہو گی تو فیصلہ اوپر کی سطح پر ہو گا۔ اس تجویز کے مطابق ہر ضلع میں ایک گورنر اور دس وزیر ہوں گے اور ڈپٹی کمشنر بطور چیف سیکرٹری کام کرے گا۔ جو دس وزیر ہوں گے وہ اپنے اپنے محکموں کے حوالے سے صورت حال میں کسی خرابی کے لئے مکمل طور پر جواب دہ اور ذمہ دار ہوں گے۔ ہر ضلعی حکومت میں ایک وزیر انسداد بدعنوانی ہو گا۔ تعلیم' صحت' خاندانی منصوبہ بندی' پولیس کے امور' زکوٰۃ' عشر اور آب پاشی وغیرہ کی وزارتیں ہوں گی۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ الیکشن کے لئے لسانی سیاست ختم ہو گی اور ہر ضلع میں چونکہ بالعموم ایک لسانی گروہ ہے' اس لئے آپس میں ہی ضلعی اسمبلی کی رکنیت وزارت اور گورنری کرنے کے لئے دھڑے بندی ہو گی اور پاکستانی سیاست کی پرانی گروہ بندیاں ٹوٹ پھوٹ کر نئی بنیادوں پر نئی دھڑے بندیاں سامنے آئیں گی۔

صوبہ اپنی جگہ گورنر جنرل' وزیراعلیٰ اور صوبائی اسمبلی کے اقتدار و اختیار کے تحت قائم رہے گا۔ اس کا اقتدار و اختیار بہت کچھ نچلی سطح پر منتقل ہو جائے گا۔ اس منشور میں یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ بلدیاتی اداروں اور لوکل باڈیز کو وہ اختیارات دیئے جائیں جو اس وقت صوبائی حکومت یا بیوروکریسی کے پاس ہیں۔ کسی زمانے میں حنیف رامے نے یہی خیال "مساوات پارٹی" کے منشور میں "لوک راج" کے تحت تجویز کیا تھا لیکن محترمہ نے بلدیاتی اداروں کو طاقتور بنانے کی بات کرنے پر اکتفا نہیں کیا اور منتخب ضلعی حکومت' اس کے گورنر' اس کی کابینہ کا تذکرہ کر کے بات کو بالکل نیا رنگ دیا ہے۔

ایک اعتراض اس پر فوراً یہ سامنے آیا ہے کہ اس طرح تو انتظامی اخراجات میں کافی اضافہ ہو گا اور کوئی سرحدی ضلع کسی بھی وقت آسانی سے اعلان علیحدگی بھی کر سکتا ہے۔ نیز ضلعی حکومتوں کے قیام کے بعد بیرونی ریشہ دوانیوں کو اور بھی راہ ملے گی۔ اس لحاظ سے یہ امریکی تجزیہ ہے جو پاکستان کو غیر مستحکم کرنے اور آپس کے ٹکراؤ کو بڑھانے کی ہے۔ ان اعتراضات پر بھی غور ہونا چاہئے لیکن جہاں تک علیحدگی کی تحریکوں کا تعلق ہے' ان کی بنیاد لسانی قوم پرستی ہوتی ہے اور قوم پرستی کو پنپنے کے لئے ایک بڑا دائرہ کار چاہئے۔ چھوٹے چھوٹے اضلاع میں لسانی تضاد اس قدر شدید نہیں ہو گا۔ وہاں پر لسانی گروہ میں آپس کے گروپ ہوں گے اور ان کی کشمکش ہو گی۔ یہ ضلعی سیاست و معیشت اپنی جگہ اس قدر آزاد بھی نہیں ہو گی کہ علیحدگی کا راستہ اختیار کر سکے۔ وہ دوسرے اضلاع پر بہت سے معاملات میں انحصار کرنے والی ہو گی۔

بہرصورت ملک کے نظم و نسق کو نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی ایک تجویز پیپلزپارٹی نے پیش کی ہے اور تجویز میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے' ترامیم ہو سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے اس پر غور ہونا چاہئے کہ تبدیلی ہماری ضرورت ہے اور خاص طور پر صوبوں میں مختلف بے چین گروہوں کا وجود ایسا ہے جو صوبائی سیاست کو درہم برہم کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں مرکز کا استحکام بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس اعتبار سے اقتدار اور اختیار کی نئی تقسیم جو نیچے تک جائے اور محرومیوں کا ازالہ کرے ضروری ہو گئی ہے اور اس کے لئے کوئی نیا نظام ہمیں قائم کرنا ہی ہو گا۔

لیکن یہ بھی ہمیں ملحوظ رکھنا ہو گا کہ جو تبدیلی ہو وہ محتاط طریقہ پر ہو' اجماع کے تحت ہو اور ہمارے قومی مفاد میں ہو ورنہ امریکہ تو چاہتا ہے کہ پاکستان کو ایک کنفیڈریشن کی شکل دی جائے اور پیپلزپارٹی کے منشور کی رو سے ہر صوبہ ضلعی حکومتوں کے نتیجے میں فیڈریشن اور وفاق کنفیڈریشن کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ OO

یہ عوامی اندازِ سیاست سب پر بازی لے گیا ہے

"شوکت اسلام" سے "رضائے عوام" تک

بات داتا دربار تک رہ گئی' مولانا مودودی کی لحد تو بت بننے سے بچی

نثار احمد ملک

تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کا اگرچہ انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ بات ہم علی وجہ البصیرت کئی مرتبہ واضح کر چکے ہیں کہ اسلام انتخابات کے راستے سے ہرگز ہرگز نہیں آئے گا۔ اس بنیادی اور غیر متبدل موقف پر استقامت کے ساتھ ساتھ ہم نے ہمیشہ ان دینی سیاسی جماعتوں کو بھی نصح و خیر خواہی کے جذبہ سے انتخابی سیاست سے الگ ہونے کا مشورہ دیا جو فکری اعتبار سے انقلابی ہیں اور دین کے صحیح تصور سے بھی آگاہ ہیں۔ اس کے باوجود تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کی طرف سے دینی سیاسی جماعتوں کو مشروط تائید بھی حاصل رہی۔ حالیہ انتخابی جوڑ توڑ کے دوران بھی تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کی طرف سے دینی سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر متفقہ منشور کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کا مشورہ دیا گیا اور اس صورت میں اپنی طرف سے تائید کا یقین دلایا گیا۔ لیکن یہ بات افسوس ناک ہے کہ دینی عناصر ایک پلیٹ فارم پر متحد نہ ہو سکے۔

دینی سیاسی جماعتوں میں سے جماعت اسلامی جو اب ایک نئے نام "پاکستان اسلامک فرنٹ" کے ساتھ میدان کارزار میں کود پڑی ہے' فکری اعتبار سے ہمارے قریب تر ہے اور ہم نے اسی فکری قرب کے پیش نظر اسے انتخابی سیاست سے الگ ہونے کا مشورہ دیا لیکن حالیہ انتخابی مہم جس زور و شور سے اور جس "عوامی انداز" میں جماعت اسلامی نے شروع کی ہے اس کا مقابلہ ابھی تک کوئی دوسرا سیاسی دھڑا نہیں کر سکا۔ یہ بات انتہائی افسوس ناک ہے کہ ہماری متعدد دینی سیاسی جماعتیں بھی بنیادی اخلاقیات تک سے عاری ہیں لیکن اس میدان میں بھی جماعت اسلامی نے تمام سیاسی جماعتوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

کہا جاتا ہے کہ برصغیر کی سیاست میں سنجیدگی جماعت اسلامی نے پیدا کی۔ جماعت اسلامی سے پہلے جتنی بھی سیاسی جماعتیں کام کر رہی تھیں ان میں جوش زیادہ اور ہوش کم تھا۔ جماعت اسلامی نے پڑھے لکھے طبقے کو متاثر کیا ورنہ جماعت سے قبل مجلس احرار یا تحریک خلافت' جذباتی اور وقتی نوعیت کی تحریکیں تھیں۔ لیکن افسوس کہ اب خود جماعت اسلامی نے سنجیدگی و متانت کو اپنی سیاسی لغت سے نکال باہر کیا ہے۔ جن لوگوں کو اسلامک فرنٹ کے جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کا موقع ملا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے "پاسبان" کس درجہ شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کعبے کو صنم خانوں سے جو پاسباں ملے ہیں انہوں نے صرف اپنی نوکری تبدیل کی ہے' اپنے اطوار اور انداز میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

اگرچہ جماعت اسلامی نے مغربی جمہوریت کے عوامی تقاضوں کو پورا کرنے کی مہم تو شوکت اسلام کے جلوسوں سے ہی شروع کر دی تھی لیکن موجودہ پاسبانی سیاست اس کی منطقی انتہا ہے جو رائج الوقت اخلاقی معیارات سے بھی پوری طرح "فرنٹ" ہو چکی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک دینی جماعت جو انقلاب اسلامی کی داعی بھی ہے اس درجے کیوں گر چکی ہے؟۔ اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ محترم قاضی حسین احمد کو وہ تمام طریقے اختیار کرنا پڑیں گے جو "عوامی" جمہوریت کا لازمہ ہیں۔ اپنے آپ کو عوامی ثابت کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لگائی گئی تمام پابندیوں سے جان چھڑانا ہوگی اس لئے کہ تقویٰ و خشیت الٰہی اور شعائر اسلامی کی پابندی وہ سکے نہیں ہیں جو پاکستانی سیاست کے بازار میں چل سکیں بلکہ یہاں زندہ باد اور مردہ باد کے ساتھ ڈھول اور بھنگڑے بھی ضروری ہیں۔ لہٰذا قاضی صاحب "رضائے عوام" کے لئے ان تمام لوازمات کو کماحقہ پورا کرنے پر مجبور ہیں۔

ڈھول اور جھنجھنوں کے ساتھ ساتھ پنجابی فلمی گانوں کی طرز پر وہ "چوندے چوندے" ترانے بھی قابل غور ہیں جو محترم قاضی صاحب کی شان اقدس میں الاپے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے شخصیت گری کے بغیر کون متوجہ ہوگا؟ اور شخصیت گری کے تمام طریقے اسلامک فرنٹ آزما رہا ہے جس کے ذریعے حضرت قاضی صاحب کو "نجات دہندہ" ثابت کیا جا سکے۔ کیا ہم محترم قاضی صاحب سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ وہ پاسبانی "فوک" ڈانسروں اور موسیقاروں کے ذریعے کون سا اسلام لانا چاہتے ہیں؟۔

جہاں تک تعلق ہے قاضی صاحب کے عوامی نعروں کا تو در حقیقت ان میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اسلام فقط نماز روزے کا ہی نہیں ہے بلکہ وہ انسانیت کو درپیش تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ سب حل اسی عوامی انداز کے ہوں جو اسلامک فرنٹ کے منشور میں پیش کئے گئے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ووٹ نماز روزے کی دعوت سے نہیں ملتے بلکہ عوام کے مسائل کا حل پیش کرنے سے ملتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر تبلیغی جماعت کے فکری خانے سے اسلام کا سیاسی و معاشی نظام خارج ہے اور فقط نماز روزہ اور اسلام کے مظاہر پر زور ہے تو جماعت اسلامی کے دینی فکر میں فقط سیاست رہ گئی ہے' نماز روزہ اور مظاہر کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور اس کا مظہر

پاسبانوں کی عملی زندگی ہے۔

اسلام ہی نظام عدل اجتماعی کا ضامن ہے۔ لیکن یہ نظام کیسے نافذ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلافت کن لوگوں سے ہے' قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں خلافت کے لئے دو شرائط عائد کی ہیں' ایک ایمان دوسری عمل صالح۔ ایمان کو ناپنے کا آلہ ہمارے پاس نہیں ہے لیکن ایمان کا مظہر اعمال صالح ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر کسی کے اسلام کے بارے میں کوئی رائے دی جاسکتی ہے ورنہ دلوں کے بھید تو خدا ہی جانتا ہے جو ایمان کا مسکن ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمل صالح کی تعریف کیا ہے؟ ہر وہ کام جو حضور ﷺ نے کیا' اس کے کرنے کا حکم دیا یا پسند فرمایا' وہ عمل صالح ہے اور ہر وہ کام جس کا صدور آپ سے نہ ہوا ہو' جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو یا ناپسند فرمایا ہو' عمل غیر صالح ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے اعمال کے لئے کسوٹی حضور ﷺ کی زندگی کو قرار دینا چاہئے۔ حضور ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا عمل صالح جہاد ہے۔ حضور ﷺ نے پورا قانون جہاد عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا دینی جدوجہد انہی خطوط پر کی جائے گی جو حضور ﷺ نے عطا کئے ہیں۔ چنانچہ ہمیں اپنے آپ کو حضور ﷺ کے دامن سے وابستہ کرنا چاہئے۔۔

مصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بو لہبی ست

اللہ کی بندگی کا نظام قائم کرنے سے پہلے اس بندگی کو اپنی انفرادی زندگی میں نافذ کرنا ہوگا۔ وہ لوگ جن کی اپنی زندگیاں اس بندگی کا مظہر نہ ہوں اللہ تعالیٰ انہیں خلافت ارضی ہرگز عطا نہیں کرے گا۔ لہٰذا پہلے ہمیں اپنے آپ کو اس خلافت کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو بھنگڑے ڈالنے والوں اور ڈھول باجے بجانے والوں کی ضرورت نہیں ہے اور اس کا وعدہ خلافت ایسے لوگوں سے ہرگز نہیں ہے۔ اللہ کا دین اتنا لاوارث بھی نہیں ہے کہ اسے اپنی حفاظت کے لئے ایسے "پاسبانوں" کی ضرورت ہو جو بنیادی دینی تربیت سے بھی عاری ہوں۔ انقلاب سے پہلے خاک میں ملنا اور آگ میں جلنا ہوگا۔ اپنی پیشانیوں کو سجدوں اور راتوں کو اشکوں سے سجانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے مومن بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ **هم عن اللغو معرضون۔** کہ وہ لغو باتوں سے بھی اعراض کرتے ہیں۔ دراصل جمہوری نظام کی گندگی نے ہمیں قرآن و سنت سے دور کر دیا ہے۔ یقین کیجیے کہ قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے والے اور حضور ﷺ کی زندگی سے انحراف کرنے والے لوگ اگر لیلائے اقتدار تک پہنچ بھی جائیں تب بھی اس دین کا کوئی بھلا نہ ہوگا۔

محترم قاضی حسین احمد صاحب نے جو عوامی انداز سیاست اختیار کیا ہے اس کا ایک مظہر یہ سامنے آیا کہ انہوں نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز شاعر مشرق علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دینے سے کیا' اس لئے کہ عوامی ہونے کا یہ بھی تقاضا ہے۔ اس پر کسی نے بڑا خوبصورت تبصرہ کیا کہ اگر قاضی صاحب کو کسی مزار پر حاضری سے ہی انتخابی مہم کا آغاز کرنا تھا تو سید مودودیؒ کے مزار سے کرتے۔ ظاہر ہے سید مودودیؒ کسی طرح بھی علامہ اقبالؒ سے کم درجے کے نہ تھے اور پھر ایک اعتبار سے سید مودودیؒ کو علامہ اقبالؒ پر فوقیت بھی حاصل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ... اسلامی کی تشکیل جدید کا کارنامہ انجام دیا اور ہندوستان

روزنامہ پاکستان لاہور کی اشاعت ۳۰/ اگست سے قاضی صاحب کے "جلوس" کی جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔ ذرا چشم تصور کو وا کیجئے اور دیکھئے کہ ایک شان وہ تھی جس کے ... محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) رزم گاہوں کا رخ فرمایا کرتے تھے اور ایک دھوم دھڑکا وہ تھا جس کے جلو میں مشرکین مکہ نے بدر کے میدان اور احد کی پہاڑیوں تک کا سفر طے کیا۔ ان جھلکیوں میں دیکھئے کون سا رنگ نمایاں ہے؟.....

مہنگائی کے خلاف اسلامک فرنٹ کے جلوس کے لئے ۱۱ بجے کا وقت مقرر تھا لیکن قاضی حسین احمد تقریباً سوا تین بجے جلوس کی قیادت کے لئے ریلوے سٹیشن پہنچے۔

☆..... جلوس کے آگے آگے ایک جیسے سفید رنگ کے ۲۰ گھڑ سوار تھے۔ پٹاخے چلنے پر یہ گھوڑے بدکتے رہے جس سے ایک راہ گیر معمولی زخمی ہوگیا۔

☆..... جلوس میں شامل ایک ٹولی مسلسل ڈھول' چمٹے اور جھنجھنے بجاتی رہی۔ یہ لوگ آغاز میں ایک فلائنگ کوچ کے اوپر سوار تھے بعد میں جلوس کے آگے آگے چلتے رہے۔

☆..... ریلوے سٹیشن پر ایک ہوائی جہاز کے ذریعے جلوس کے شرکاء پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔

☆..... طے شدہ روٹ کے مطابق جلوس کو مال روڈ پر نہیں آنے دیا گیا کیونکہ مال روڈ پر جلسے جلوسوں پر پابندی ہے جس کے بعد جلوس ہائی کورٹ کے عقب سے ہوتا ہوا جین مندر کی طرف چلا گیا۔

☆..... گوالمنڈی کے قریب حلقہ ۹۵ سے پیپلز پارٹی کے امیدوار ضیاء بخت بٹ اور ان کے ساتھیوں کا جلوس سے آمنا سامنا ہوا جس پر دونوں طرف سے ہاتھ ہلا کر سلام کیا گیا۔

☆..... جلوس نے نماز عصر ہائی کورٹ کے قریب واقع ایک مسجد میں ادا کی جب کہ نماز مغرب داتا دربار میں ادا کی گئی۔

☆..... قاضی حسین احمد نے نماز مغرب کے بعد داتا دربار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جماعت اسلامی کے کسی مرکزی رہنما نے داتا دربار پر حاضری دی۔

☆..... تاج کمپنی کیس میں مشہور ہونے والے شاعر بغاوت حاجی محمد یوسف نے جلسہ میں اپنی مشہور نظم سنائی جس پر ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج ہوا تھا۔

☆..... جلوس میں مختلف ویگنوں پر نصب لاؤڈ سپیکروں پر ترانے نشر کئے جاتے رہے۔ یہ ترانے زیادہ تر قاضی حسین احمد کی ذات اور شخصیت کے حوالے سے مرتب کئے گئے ہیں۔ جن مشہور گانوں کی طرز پر یہ ترانے بنائے گئے ہیں ان میں "بلے بلے ٹور پنجابن دی" "چٹا ککڑ بنیرے تے" "دیر میرا گھوڑی چڑھیا" اور "آجا تینوں اکھیاں اڈیکدیاں" شامل ہیں۔

☆..... جلوس میں جماعت اسلامی کا کوئی مرکزی یا مقامی راہنما شامل نہیں تھا جس کے بارے میں وہاں پر موجود لوگ چہ میگوئیاں کرتے رہے۔

میں ایک مسلم ریاست کا تصور پیش کیا جبکہ مولانا مودودیؒ نے اس فکر پر مبنی اسلامی ریاست کے قیام کی بالفعل کوشش بھی کی اور اس کے لئے بہت بڑی تحریک کا آغاز کیا۔ لیکن شائد مشیت الٰہی میں سید مودودیؒ کی قبر کو بت بننے سے بچانا مقصود ہو کہ یہ مرد حق تو زندگی بھر نظام کفر و شرک سے نبرد آزما رہا۔

اگرچہ قاضی صاحب نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز تو علامہ اقبال کے مزار سے کیا لیکن شائد بعد میں سوچا ہو کہ اکثر سیاست دان تو داتا دربار حاضری سے اپنی مہمات کا آغاز کرتے ہیں اور یہاں کے فیوض و برکات بھی ان کامیابیوں میں شامل ہوتے ہیں! لہٰذا قاضی صاحب نے اس کی تلافی بعد ازاں داتا دربار پر حاضری دے کر کر دی۔ اب ہمیں اس بات کا انتظار ہے کہ جب محترم قاضی صاحب کے حوالے سے یہ خبر آئے کہ آج ”جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے سید علی ہجویریؒ کی قبر کو غسل دیا اور بعد میں پھولوں کی چادر چڑھائی اور محفل سماع میں شرکت کی!“۔ محترم قاضی صاحب کو سوچنا چاہئے کہ وہ اس شخص کے ”سجادہ نشین“ ہیں جنہوں نے چالیس سال لاہور میں گزارے مگر ایک دفعہ بھی داتا دربار حاضر نہ ہوئے۔ لیلائے اقتدار تک پہنچنے کے لئے قاضی صاحب کس کس چیز کی قربانی دینے پر تل گئے ہیں۔

محترم قاضی صاحب کی آرزو ہے کہ لیلائے اقتدار کے محمل تک جلدی پہنچ جائیں اور اسلام کا پرچم پہلے اسلام آباد اور بعد میں دہلی کے لال قلعے پر لہرادیں۔ لیکن ہم بصد احترام قاضی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ جو راستہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ منزل کی طرف نہیں جاتا بلکہ اس راستے سے منزل دور سے دور تر ہوتی چلی جائے گی۔ وہ لاکھ عوامی بنیں لیکن جب تک دلوں کی زمین پر ایمان کا بیج بو کر عمل صالح کی فصل تیار نہیں ہوگی اس وقت تک نفاذ اسلامی کی منزل سر نہیں ہو سکتی لہٰذا ہم یہی عرض کر سکتے ہیں۔۔

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے کہ تیری آرزو بدل جائے

ہم منتظر بھی ہیں اور دعا گو بھی کہ موجودہ انتخابات جماعت اسلامی کے لئے آخری تلخ تجربہ ثابت ہوں اور اس کے بعد شاید اسے غور و فکر کی توفیق مل جائے اس لئے کہ۔ کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو۔ اور آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک کا ہمارا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

جماعت اسلامی نے اسلامی مارشل لاء کا ساتھ دے کر بھی دیکھ لیا اور مارشل لاء کی پیداوار کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ایوان اقتدار تک پہنچانے کا مزہ بھی چکھ لیا‘ اب اپنے قوت بازو بھی آزما کر دیکھ لے۔ آخر کار اسے عود الی البدء کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ یقین کیجئے کہ جماعت اسلامی کا انتخابی سیاست سے الگ ہو جانا ہی ملک خداداد پاکستان میں اسلامی انقلاب کی تمہید ثابت ہو سکتا ہے۔ بہرحال۔

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

کیا یہ سچ ہے؟

ماہنامہ ”المرشد“ لاہور مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی ”تنظیم الاخوان“ کا ترجمان ہے جس کی اشاعت جولائی ۱۹۹۳ء میں محترم مولانا کی جو تقریر ”مسلمان تو ہوں مگر......“ کے زیر عنوان شائع ہوئی ہے‘ اس سے ایک اقتباس ذیل میں نقل کرتے ہوئے ہم سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو مرحوم کے ورثاء اور حکومت پاکستان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا مولانا نے سچ فرمایا ہے؟۔ جونیجو مرحوم کا شمار ”نئے پاکستان“ کے نسبتاً شریف النفس اور بد عنوانیوں سے حتی الامکان پاک حکمرانوں میں ہوتا ہے‘ اگر ان کے بارے میں بھی یہ لرزہ خیز انکشاف درست ہے تو دوسروں کے متعلق جو بھی کہا جائے ‘ماننا پڑے گا۔

اور کیا دیکھنے کو باقی ہے — آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا

○

”میں چلا گیا بالٹی مور مجھے جانا تھا اپنے پروگرام میں وہیں وہ ہسپتال ہے جس میں ہمارے ملک کے نامور وزیر اعظم کا وصال ہوا محمد خان جونیجو صاحب کا تو نیچرلی آدمی کے دل میں بات تو ہوتی ہے آخر پورے ملک کے وزیر اعظم تھے تو میں نے پوچھا بھئی یہاں فوت ہوئے تھے کس طرح فوت ہوئے کیا حال ہوا۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب تھے ان سے گزارش کی تو وہ کہنے لگے یہاں تو کوئی محمد خان جونیجو نہیں مرا بھائی۔ نہ آیا یہاں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں کمال کرتے ہو یار ساری دنیا میں وہاں ٹیلی ویژن پہ سنا اخبارات میں دھوم مچی آپ کے اس جان ہاپکنز ہسپتال کی۔ میری لینڈ بالٹی مور میں ہے تو انہوں نے کہا اچھا بھائی کل دیکھیں گے تو دوسرے دن انہوں نے مجھے کمپیوٹر کی رپورٹ بجھوادی۔ کمپیوٹر کی رپورٹ میں اوپر ایک جملہ ہے ایک شخص محمد خان جونیجو جس کی تاریخ ولادت فلاں ہے اور وہ جان بکسی کے نام سے امریکہ میں رہتا ہے بکس بی جان۔ Bix By John یعنی یہاں آپ کا وزیر اعظم امریکہ کا شہری ہے بکس بی جان کے نام سے۔ اس لئے کہ یہاں سے جو کچھ لوٹا جاتا ہے وہ بکس بی جان کے اکاؤنٹ میں وہاں جمع ہوتا ہے اور جب علاج کے لئے وہاں تشریف لے گئے تو بکس بی جان داخل ہوا اس جان ہاپکنز ہسپتال میں اور وہاں بکس بی جان مرا اور اس کے سرہانے باقاعدہ صلیب گاڑی گئی اور نرسوں نے باقاعدہ اپنے شانے پہ صلیب بنا کر بکس بی جان کو رخصت کیا یہاں ان غریبوں سے غائبانہ جنازے پڑھائے جاتے ہیں جن کا خون بیچ کر جن کا خون چوس کر یہ لوگ کیا لیتے ہیں ارے یار یہ اسلامی حکومتیں ہیں اور یہ مسلمان ہیں۔ اب مجھے یہ فرصت نہیں ملی کہ نواز شریف کا امریکہ میں نام کیا ہے اور اسحاق خان کس نام سے وہاں جیتا ہے۔ ہوں گے ان سب کے اور وہ تو اتفاقاً ہوا اور میرے یہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا مجھے تو ویسے ہی ہمارے ملک کا وزیر اعظم ہونے کے ناطے خیال آگیا کہ پتہ تو کریں یار ہم بھی یہاں بیٹھے ہیں یہ سامنے ہسپتال ہے اور ڈاکٹر بھی اپنا برخوردار ہے اس میں کام کرنے والے ہمیں بھی جانتے ہیں تو پوچھیں تو سہی کہ آخر وہ کیا ہوا تو انہوں نے کہا کہ جی وہ تو بکس بی جان یہاں فوت ہوئے تھے او یار کوئی ریٹائر ہوتے ہوتے مسلمان کے لئے کوئی رکنے کی جگہ ہے بھی سہی۔“

(بارہویں قسط)

یہاں اکثر سوالات جواب سے محروم رہتے ہیں

یہ داستان پہلودار بھی ہے' المناک بھی!

مرزا ایوب بیگ

یہاں حکومت پر پنجاب کے انہی خاندانوں کا تسلط رہا جنہوں نے انگریز کی وفاداری و خیر خواہی میں نام کمایا تھا

تحریک پاکستان اور سیاسیات پاکستان پر اس قسط وار تحریر کے بالکل آغاز ہی میں راقم نے پاکستان کی سیاسی تاریخ کے بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اسے سپرد قلم کرنا بیک وقت انتہائی آسان اور مشکل کام ہے۔ آسان اور سہل اس لئے کہ ۴۶ سالوں میں جس قدر ضخیم مواد ہمارے سیاست دانوں اور ہر نوع کے حکمرانوں نے مورخ کو فراہم کیا ہے' شاید ہی کسی اور قوم نے اتنے قلیل عرصے میں اتنا مواد مہیا کیا ہو۔ نئے نئے واقعات کا رونما ہونا' سیاسی بحرانوں کے سیلاب' اپوزیشن اور حکومتوں کا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونا' حکومتوں کے اندر باہم ٹکراؤ' کئی سربراہان مملکت اور سربراہان حکومت کا آپس میں لڑتے لڑتے شہید ہونا' صوبے کا مرکز کے خلاف لانگ مارچ' مرکز کا صوبے کی امداد بند کرنا وغیرہ ہمارے ہاں کے معمولات میں شامل رہا ہے۔ واقعات پر اگر کوئی مورخ روا روی میں بھی قلم چلائے تو قرطاس کا پیٹ بڑی آسانی سے بھرتا چلا جائے گا البتہ نئے نئے جنم لینے والے بحرانوں اور ان کی پشت پر ہونے والی محلاتی سازشوں کا سراغ لگانے اور ان کا سرا پکڑنے کی اگر کوئی مورخ کوشش کرے گا تو واقعتاً یہ ایک انتہائی مشکل کام ہو گا۔

لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کا جلسہ عام میں قتل ہو یا المیہ سقوط ڈھاکہ یا سانحہ بہاولپور' تحقیقات ہوتی رہیں اور کمیشن قائم کئے جاتے رہے لیکن عوام آج تک یہ نہ جان سکے کہ ان کا پہلا وزیر اعظم جو بانی پاکستان قائد اعظم کا دست راست تھا' کیوں اور کس طرح قتل ہوا؟ اس کا قاتل سازش کے تحت فوری طور پر قتل کر دیا گیا تھا یا یہ کارروائی کوئی فوری جذباتی رد عمل کا نتیجہ تھی؟۔ حمود الرحمن کمیشن سقوط ڈھاکہ کا ذمہ دار کس کو گردانتا ہے؟ بہاولپور کے قریب بستی لال کمال میں ہمارے صدر سمیت ۲۸ اعلیٰ ترین فوجی افسران خاک کیوں اور کیسے ملے؟۔ آخر وہ کیا مجبوری ہے کہ مقتول ضیاء الحق کے حقیقی بیٹے مرکزی وزیر ہونے کے باوجود اپنی ہی حکومت سے صرف مطالبے ہی کرتے رہے اور ان کے معنوی بیٹے نواز شریف جنہیں مرحوم نے اپنی عمر لگنے کی دعا دی تھی' اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے باوجود ان کا مشن پورا کرنے کی دہائی تو دیتے رہے لیکن اس حادثہ فاجعہ پر اپنی زبان بند رکھنے پر کیوں مجبور تھے؟ ایسے بہت سے دوسرے واقعات کو اس طرح قلمبند کرنا کہ تعصب اور جانبداری قریب نہ پھٹکے "جو ایک مورخ کی پیشہ ورانہ دیانت کا تقاضا ہے بلکہ اس کا جزو ایمان ہونا چاہئے" اور اس گنجلک میں سے صحیح اور درست واقعات کو چھانٹ کر ضبط تحریر میں لانا کوئی آسان کام نہیں۔

پھر یہ کہ حالات و واقعات کا محض بیان کر دینا ہی مورخ کا فرض نہیں بلکہ اچھے یا برے واقعات کے اسباب کو خود بھی جاننے کی کوشش کرنا اور قارئین کو ان سے آگاہ کرنا اور قومی سطح پر ان واقعات کے جو بھی اثرات مرتب ہوئے ہوں' ان کی نشاندہی کرنا اور نتائج کے اخذ کرنے میں قارئین کی پوری پوری مدد کرنا بھی تاریخ کے ایک اچھے لکھاری کے فرائض میں شامل ہے۔ راقم ان شاء اللہ پوری کوشش کرے گا کہ ان اسباب کو کھول کر بیان کرے جن کی بنیاد پر یہ ملک ترقی کی بجائے دنیوی اور دینی لحاظ سے تنزل اور پستی کا راہی بن گیا۔

مسلم لیگ نے پاکستان کو جنم دیا تھا' اسی کی گود میں اس کی پرورش ہوئی لیکن بد قسمتی سے مسلم لیگ نے ایک تحریک تو برپا کر دی تھی لیکن وہ کبھی بھی ایک منظم سیاسی جماعت نہ بن سکی۔ مسلم لیگی قیادت پر شروع ہی سے وڈیرے اور جاگیردار قابض رہے' کبھی متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ آگے نہ آسکے۔ لہٰذا پاکستان قائم ہونے کے بعد تین طبقات اس کے حاکم بن کر سامنے آئے۔ (۱) مسلم لیگ پر قابض وڈیرے اور جاگیردار' (۲) سول بیوروکریسی جسے آگے لانا کم پڑھے لکھے مسلم لیگیوں کی مجبوری تھی اور (۳) ملٹری بیوروکریسی جو سیاسی انتشار اور سیاست دانوں کی اندھی ہوس کی وجہ سے سب سے بڑی قوت بن گئی تھی۔ طاقت کے ستونوں کے شمار میں کسی قدر حصہ ان علماء و مشائخ کو بھی دے دینے میں کوئی حرج نہیں جن کی طرف عوام اپنے مذہبی عقائد کے حوالے سے دیکھتے تھے بلکہ اب بھی دیکھتے ہیں۔

ملٹری بیوروکریسی سمیت مسلم لیگ پر قابض وڈیرے اور جاگیردار سول بیوروکریسی اور یہاں تک کہ سرکاری درباری علماء بھی بلا شک و شبہ انگریز کی باقیات تھے۔ سفید چمڑی سے مرعوب یہ ان کے ذہنی اور فکری غلام پاکستان کو ابھی تک ایک خواب تصور کر رہے تھے۔ پاکستان کے حکمرانوں میں سے قائد اعظم محمد علی جناح جو بابائے قوم بھی تھے' واحد غیر متنازعہ حکمران اور لیڈر تھے۔ قائد اعظم کی وفات تک یہ لوگ دبے رہے اور انہیں کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ دراصل قائد اعظم کی شخصیت اور عوام میں ان کی بے پناہ مقبولیت سے یہ لوگ خوف زدہ رہے' البتہ ان کی موت کے لئے دست بدعا رہتے جس کا ذکر خود قائد اعظم نے زیارت میں بستر مرگ پر محترمہ فاطمہ جناح سے کیا تھا۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد انہیں کوئی روکنے والا نہیں تھا اور وہ ملک جو مسلمانوں کی

جان و مال اور عزت کی قربانی سے ملا تھا' ان انسان نما حیوانوں کے لئے ایک بڑی اور ہری بھری چراگاہ ثابت ہوا۔ اس سے پہلے کہ ان سب کا فرداً فرداً ذکر کیا جائے' میں اجتماعی طور پر ان خاندانوں 'ان مخدوموں اور سجادہ نشینوں کا ذکر کرنا قارئین کے لئے انتہائی مفید سمجھتا ہوں جو آج تک اقتدار کا کھیل میوزک چیئرز کے کھیل کی طرح کھیل رہے ہیں۔

پنجاب میں جو پاکستان کی اصل مرکزی قوت ہے' اسمبلیوں کی سیٹیں انہیں مخصوص خاندانوں کے چچا بھتیجوں یا ماموں بھانجوں میں بٹتی رہیں جنہیں عہد غلامی میں غیر ملکی آقاؤں نے اپنے مفادات کی نگرانی کے لئے پالا پوسا تھا۔ چنانچہ ڈیرہ غازی خان کے مزاری' لغاری' دریشک اور کھوسے' بہاول پور کے نواب' خان گڑھ کے گورمانی اور دستی' لڈن کے دولتانے' ملتان کے قریشی' گیلانی' گردیزی اور ڈاہے' لاہور کے ممدوٹ' قزلباش' گجرانولہ کے چٹھے اور چیمے' گجرات کے نواب زادے اور چودھری' پیر کمالیہ کے کھرل' جھنگ کے سید' سیال' رجوعے' سرگودھا کے ٹوانے اور نون' جہلم کے راجے' راولپنڈی کے گکھڑ' اٹک کے گوندل' کھٹر' کھٹڑ' اعوان' کالاباغ کے نواب' عیسیٰ خیل کے نیازی اور میانوالی کے میاں' روکڑی اور بچھر کبھی حکومتی پارٹی سے چمٹ کر اور کبھی ایک ہی خاندان کے مختلف افراد مختلف پارٹیوں میں بٹ کر صرف اور صرف ذاتی مفاد کی سیاست کرتے رہے اور یہ ہر آنے والے کو سلیوٹ مارتے رہے۔ قارئین کو ان کی اصل ذہنیت سے آگاہ کرنے کے لئے ان وڈیروں اور جاگیرداروں کی ایک عرضداشت سے جو انہوں نے ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی پر پیش کی' ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

"ہندوستان کی یہ رعایا بہ ادب و نیاز پایہ تخت اعلیٰ حضرت شہنشاہ جہاں پناہ منبع فیوض و برکات کو بوسہ دیتے ہوئے بادشاہ سلامت کی تاجپوشی کے جشن پر پر خلوص ہدیہ تہنیت پیش کرتی ہے۔ درحقیقت ہمارے لئے یہ جشن سعید ہے کہ شہنشاہ برطانیہ کلاں اور قیصر ہند کی تاجپوشی کے باعث ہم جان نثار اور وفادار بندوں کو اس پر مسرت موقع پر بے حد خوشی اور سرور حاصل ہوا۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ہم سلطنت عظمیٰ کے دوسرے ممالک میں بسنے والوں کا مقابلہ علوم و فنون کی تحصیل اور تجارت و زراعت کی ترقی میں کسی طور نہیں کر سکتے تھے مگر ہم اس بات پر بجا طور پر نازاں ہیں کہ ہم برطانیہ عظمیٰ کے تخت کے تابع داری اور فرمانبرداری میں ان سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

ہم بصد عقیدت و احترام حضرت ملکہ معظمہ مغفورہ و مرحومہ قیصرہ ہند کی ذات والا صفات کے مداح ہیں جو ہمارے لئے گنجینہ فیوض و برکات تھی۔ وہ بے شمار اوصاف حمیدہ کی حامل تھیں جنہیں حیطہ تحریر و تقریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ ممدوحہ مغفورہ نہ صرف عدل پرور اور کرم گستر ملکہ تھیں بلکہ ہندوستان کی رعایا کے لئے شفقت و مہربانی کے لحاظ سے مادر بھی تھیں۔ اس ملک میں ولی عہدی کے زمانہ میں حضور پر نور کی تشریف آوری اب تک ہمارے لئے انتہائی مسرت و طمانیت کا باعث ہے۔ ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ حضور انور شہنشاہ اکبر اپنے عہد حکومت میں انہیں خیالات عالیہ کا اظہار فرماتے ہوئے حسب معمول اپنے شاہانہ اور کریمانہ الطاف و عنایات سے نوازتے رہیں گے۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ خدا ذوالجلال شہنشاہ با استقلال اور عالم پناہ باکمال کے اقبال اور اجلال کو ہمیشہ عروج بخشے اور سایہ ہماپایہ فیض گنجور حضرت ملکہ معظمہ کے فیوضات کا ظہور اہل جہاں کی پیشانی پر تاابد قائم و دائم رہے"۔

اس عرضداشت کے آغاز اور اختتام پر تاجدار برطانیہ کے لئے اس قدر طویل القابات اور ادب و احترام کے الفاظ درج ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالمشافہ موقعہ انہیں نصیب ہوجاتا تو بلا جھجک سجدہ ریز ہوجاتے۔ یہ تو حال تھا جاگیرداروں کا' اس سے آگے بڑھیں اور دیکھیں کہ پیر اور پیرزادوں کی کارگزاریاں کیا تھیں تو اس کا مظاہرہ ایک دعانامے میں ملتا ہے جو بطور ایڈریس پیش کیا گیا:

"ہم خدام الفقراء سجادہ نشینان و علماء مع متعلقین شرکاء حاضر الوقت مغربی حصہ پنجاب نہایت ادب اور عجز و انکسار سے یہ ایڈریس لے کر خدمت عالی میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ حضور انور جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دلجوئی' ذرہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے' ہم خاکساران باوفا کے اظہار دل کو توجہ سے ساعت فرما کر ہمارے کلاہ فخر کو چار چاند لگادیں گے"۔

پھر اس ایڈریس میں جو کچھ کہا گیا' کوشش کے باوجود راقم کا قلم اسے نقل نہیں کرسکا۔ صرف آخری فقرہ نقل کئے دیتا ہوں جو یہ ہے کہ "شہنشاہ معظم نے درست فرمایا' واقعی برطانوی تلوار اس وقت نیام میں داخل ہوئی جب دنیا کی آزادی امن و امان اور چھوٹی چھوٹی قوموں کی بہبود مکمل طور پر حاصل ہوکر بالآخر سچائی کا بول بالا ہوگیا" اس ایڈریس میں مندرجہ ذیل دو اشعار برائے تحسین بھی تھے جن میں سے ایک اردو اور ایک فارسی میں تھا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را بہ کسے کارے نباشد

اور

ہوئیں بدنظمیاں سب دور' انگریزی عمل آیا
بجا آیا' بہ استحقاق آیا' بر محل آیا

جلسہ خلافت

۱۷ ستمبر بروز جمعۃ المبارک۔ ۱۲ بجے دوپہر

تاریخی جامع مسجد گنج علی خان بازار کلاں نزد گھنٹہ گھر پشاور

خصوصی خطاب: جنرل ایچ ایم انصاری

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

دیگر مقررین: ڈاکٹر محمد مقصود۔ وارث خان

پریس کانفرنس: ۱۶ ستمبر ۵ بجے بعد دوپہر پریس کلب پشاور

زیر اہتمام: تحریک خلافت پاکستان حلقہ پشاور ڈویژن

"اگر معاف کر دیا جائے تو..."

روزنامہ جنگ میں ممتاز قانون دان سید محمد ظفر کا ایک فکر انگیز کالم

رات گئے تک بی بی سی کی ورلڈ نیوز میں یہ خبر سن رہا تھا کہ اسرائیل کی ایک عدالت میں نازی جرمنی کے دور کا ایک ملزم اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ عدالت اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکی کہ جو شخص عدالت میں بطور "ایون خوفناک" Ivan The Terrible کے پیش کیا گیا تھا وہ واقعی "ایون" تھا یا کہ نہیں۔

مجھے اس خبر سے ایک کہانی اور ایک گفتگو یاد آئی ہے۔ پہلے گفتگو سنئے اور پھر کہانی۔ ہوا یوں کہ دو سال پہلے میں جنیوا میں انسانی حقوق کے کمیشن کی کارروائی میں شامل تھا۔ یہودی لابی کی ایک غیر سرکاری تنظیم بھی کمیشن میں حصہ لے رہی تھی۔ اس تنظیم کے ایک قائد سے ملاقات کے دوران نازی جرمنی کے مظالم پر ہماری گفتگو ہوئی۔ تنظیم کے قائد نے بتایا کہ یہودی شہریوں اور اداروں نے بلکہ اسرائیلی انٹیلی جنس نے ایسے ملزمان کو جو جنگ عظیم دوم کے بعد روپوش ہو گئے تھے ان کی پناہ گاہوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر عدالت کے سامنے پیش کیا۔ میں نے کہا کہ ان جرائم کو سرزد ہوئے چالیس سال کے لگ بھگ ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں شہادت کا کیا معیار رہ جائے گا۔ اس کا جواب تھا "ملزم بے شک بری ہو جائے لیکن مقدمہ ضرور چلنا چاہئے۔ اگر مجرم کو بغیر مقدمہ چلائے معاف کر دیا جائے تو یقین جانو وہ جرم جڑ پکڑ لے گا اور مضبوط ہو جائے گا"۔

بی بی سی کی خبر سنتے ہی مجھے یہ یہودی دانش ور یاد آیا اور میری آنکھوں کے سامنے مندرجہ ذیل واقعات کی سیریل چلنے لگی۔

(۱) شیخ مجیب الرحمٰن پر پاکستان کے خلاف سازش کرنے کا الزام تھا۔ مقدمہ چلا لیکن سیاسی حالات اور حکومت کی کمزوری نے عدالت کی کارروائی روک کر اسے اسلام آباد گول میز کانفرنس میں محترم بنا کر لا بٹھایا۔ کچھ عرصے بعد ملک دولخت ہو گیا۔ یہودی دانش ور کے الفاظ یاد آئے کہ اگر مجرم کو معاف کر دیا جائے تو یقین جانو پھر وہ جرم جڑ پکڑے گا۔

(۲) غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف الزام لگا کہ انہوں نے چند فوجیوں کے ساتھ مل کر پاکستانی فوج میں بغاوت کے جراثیم پھیلانے کی کوشش کی اور بھارت سے بھی امداد لی۔ وہ ملک میں آئے۔ کچھ عرصہ جیل میں رہے۔ مقدمہ نہ چلا بلکہ وہ جیل سے نکلتے ہی نگران وزارت میں شامل ہو گئے۔ آج وہ محترم بھی ہیں اور ایک بڑی پارٹی میں شامل ہو کر سابق وزیر اعظم کے خلاف انتخاب لڑ رہے ہیں۔ ان کی بریت بھی عدالت سے نہ ہوئی۔ سازش کی جڑیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ نامعلوم یہ جرم کتنی گہرائی میں توانا ہو رہا ہے اور کیا پتہ جنرل محمد ضیاء الحق اور اس کے کئی فوجی افسروں کا ایک جہاز میں جان بحق ہونا ایسے ہی جرم کے پھیلتے چلے جانے کا نتیجہ ہے۔

(۳) آصف زرداری پر الزام لگا کہ انہوں نے کسی کی ٹانگ پر ایک بم باندھ کر بینک سے روپے نکلوائے ہیں۔ مقدمہ چلتا رہا لیکن بریت سے پہلے ہی انہیں نگران کابینہ میں وزیر بنا کر محترم قرار دے دیا گیا اور ملک کے اسی صدر نے ان سے حلف پڑھوایا جنہوں نے الزام لگا کر معاملہ عدالت میں بھیجا تھا۔ کیا یہی وجہ ہے کہ بینکوں کے خلاف ڈکیتی کا جرم فروغ پا رہا ہے۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار تو کسی نہ کسی بینک کے لوٹے جانے کی خبر پڑھنے کو مل ہی جاتی ہے۔

(۴) الطاف حسین پر الزام لگا کہ ٹارچر سیل بنائے ہوئے ہیں اور انہوں نے سیاسی مافیا قائم کی ہوئی ہے۔ وہ کسی مقدمے میں ماخوذ ہونے سے پہلے ہی ملک چھوڑ کر چلے گئے اور اب لندن سے فون پر گھنٹوں پاکستان کے ووٹروں سے خطاب کرتے ہیں۔ وہ بھی مقدمہ چلے بغیر محترم ہو رہے ہیں۔ نامعلوم اس کے نتیجہ میں اب کون سی وبا کس شکل میں پھوٹ نکلے گی۔ ایک لحاظ سے تو غربت کا ٹارچر ملک کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔

(۵) میر مرتضیٰ بھٹو کے خلاف الزام لگا کر وہ پاکستان کا جہاز ہائی جیک (اغوا) کر کے لے گئے اور ایک فوجی کیپٹن کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اور یہ کہ وہ پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں ملوث تھے۔ اب وہ بھی مقدمہ چلے بغیر محترم ہیں اور ان کی جانب سے یہ اعلان ہے کہ وہ ہونے والے انتخابات میں حصہ لے کر سیاست کو لوٹا سیاست سے نجات دلائیں گے۔ بلاشک اغوا کا جرم عام ہے۔ کئی سالوں سے ملک میں جاپانی، چینی، کورین اور پاکستانی اغوا ہو رہے ہیں اور تاوان وصول کیا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔

اب اگر میں ان تمام جرائم کو یکجا کر لوں اور یہ سوچوں کہ میری دھرتی کے سینہ میں کون کون سے زہریلے پودے بو دئے گئے ہیں جو باقاعدہ پھل پھول رہے ہیں تو جی چاہتا ہے کہ اس موضوع پر اتنا لکھوں کہ ہر طرف سے یہ آواز اٹھے کہ ملک کے ساتھ انصاف کیا جائے اور صرف ان کو احترام اور عزت کی جگہ دی جائے جنہوں نے ملک سے پیار کیا ہے اور اس کی خدمت کی ہے اور میں سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہم اپنے وطن سے یہی کچھ کرتے رہیں گے اور کب تک؟

کیا یہی وجہ ہے کہ اسرائیل جو اپنے مجرموں کو چالیس سال کے بعد بھی معاف نہیں کرتا اتنا طاقتور اور بیباک ہے اور ہم ڈرے اور سہمے ہوئے دور سے کئے گئے اشاروں کو پڑھنے اور ان کے مطابق حکومتیں بدلنے اور پالیسیاں بنانے میں مصروف ہیں؟

ایک سوال کے جواب میں اب وہ قصہ بھی سن لیں جس کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک خوبصورت ہنس کا جوڑا کھلی فضا میں لطف اندوز ہوا کے رخ جا رہا تھا کہ مادہ ہنس کی نظر ایک آبادی پر پڑی جو عذاب میں گرفتار تھی اور جہاں لوگ خشک سالی اور قحط سے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ مادہ ہنس نے اپنے ساتھی کی توجہ اس آبادی کی جانب کروائی۔ ہنس کو اس آبادی کے کنارے ایک خشک درخت پر ایک بڑا الو بیٹھا دکھائی دیا۔ ہنس نے کہا دیکھو یہ اس الو کی نحوست ہے کہ آبادی تباہ و برباد ہو رہی ہے۔

اتفاق ہے کہ الو نے یہ گفتگو سن لی۔ اس نے ہنس کے جوڑے سے کہا کہ وہ اتر کر اس کی بات بھی سن لیں۔ مادہ ہنس نے کہا کہ کیا حرج ہے۔ جیسے ہی ہنس کا جوڑا الو کے سامنے والی شاخ پر بیٹھا الو نے مادہ ہنس کو دبوچ لیا اور ہنس سے کہنے لگا تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو یہ تو میری مادہ الو ہے۔ ہنس نے کہا خدا کا خوف کرو، کیا تم اندھے ہو تمہاری اور اس کی نسل کا فرق تمہیں نظر نہیں آتا۔ الو نے کہا اس کا فیصلہ تو پنچایت ہی کرے گی۔

پنچایت نے بڑے غور سے مقدمہ سنا اور علیحدہ ایک شاخ پر فیصلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ ایک پنچ نے کہا ظاہر ہے الو زیادتی کر رہا ہے۔ الو نے جسے پکڑا ہوا ہے وہ ہنس ہی کی مادہ ہے۔ اس پر سب نے کہا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

دو عشرے وطن سے دور رہنے والے ایک پاکستانی کے تاثرات

کے ایم اعظم
(سابق یو این سینیئر اکنامک ایڈوائزر)

ہمارے اس زوال میں اسلام کا کیا قصور!

اب عزت اور وقار نام کی کوئی شے دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں کے پاس موجود نہیں

یہ تحریر ہمیں بزبان انگریزی موصول ہوئی تھی جس کا ترجمہ جناب سردار اعوان نے کیا ہے۔ توقع ہے کہ صاحب مضمون اپنی اردو کو پھر سے تازہ کرنے کی کوشش کریں گے تاہم بصورت دیگر بھی ہم ان کے خیالات کے ابلاغ کی خدمت انجام دینے کے لئے حاضر ہیں-----(ادارہ)

گزشتہ دو دہائیاں ملک سے باہر گزارنے کے بعد واپس پاکستان آنا ہوا ہے تو یہاں پر اخلاقی پستی کے عالم کو دیکھتے ہوئے یہاں رہنا دوبھر ہو گیا ہے۔ باہمی اعتماد اور دوسروں کے لئے جذبہ خیر خواہی کا سرے سے کہیں وجود نظر نہیں آتا۔ لوگوں کی عیب جوئی اور اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا "باخبر" ہونے کی دلیل ہے۔ اپنے گریبان میں جھانکنا تو الگ رہا' اپنے لئے "ہم چوما دیگرے نیست" کا راگ الاپتے رہنا کمال فن کی علامت ہے۔ یہ پاک سرزمین گویا ذلت و رسوائی اور جور و استبداد کی آماجگاہ بن چکی ہے۔

سوچنا پڑتا ہے کہ اصلاح کا عمل کہاں سے شروع ہو؟ عام آدمی کی قوت کار جواب دے رہی ہے' امراء عیاشیوں اور اللے تللوں میں مشغول ہیں اور پڑھا لکھا اونچا طبقہ جو قیادت کا اہل سمجھا جاتا ہے' ذہنی انتشار اور مفاد پرستی کی وجہ سے کوئی قابل عمل حل تلاش کرنے سے قاصر ہے جبکہ ان لوگوں کو جن کے پاس فہم و فراست ہے' کوئی پوچھنے کو تیار نہیں اور جن کے پاس اختیار ہے وہ فہم و فراست سے عاری ہیں۔

پاکستان کی سیاست روپے پیسے کا کھیل بن کر رہ گئی ہے جس میں کسی اصول اور اہلیت کا سرے سے عمل دخل نہیں جس کی وجہ سے یہ سرزمین غداروں اور مفاد پرستوں کا اڈا بن چکی ہے۔ جو بھی آتا ہے' پہلے سے زیادہ لوٹ مار کر کے چلتا بنتا ہے' فرق اگر کوئی ہے تو صرف طریقہ واردات کا!

اگر دیکھا جائے تو پورا عالم اسلام اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ ایک طرف خلیج کی جنگ میں رسوائی کا داغ ہے تو دوسری طرف بے بسی کا یہ عالم کہ بوسنیا اور کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان واقعات سے مغرب کی اسلام کے خلاف حقارت اور مسلمان دنیا کی کم ہمتی دونوں کھل کر سامنے آگئی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ وہ کبھی مفتوح نہیں رہے' بے جان ہو چکا ہے۔ بلکہ اب تو یہ تصور جنم لے رہا ہے کہ ہماری بدنصیبی کا سبب اسلام ہے اور اگر ہم اس سے کنارہ کش ہو جائیں یا کم از کم معاشرتی و سیاسی تصور ہی ذہنوں سے نکال دیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں اسلام محض عقیدے کے طور پر باقی رہے اور در حقیقت یہی بات مغربی طاقتیں بھی چاہتی ہیں جس کے حصول کے لئے بے پناہ وسائل صرف کئے جا رہے ہیں اور اسلام کو ایک غیر موثر مذہب اور رسوم و عقائد کی حد تک باقی رکھنے کے لئے جتن کئے جا رہے ہیں تاکہ اس میں سے جہانبانی و جہانگیری کا عنصر نکال باہر کیا جائے۔

ایک نکتہ نگاہ یہ بھی سامنے آ رہا ہے کہ اگر ہم فی الواقع اسلام کو بطور نظام اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو اسلام اسلام کی رٹ لگائے رکھنے کا فائدہ کیا؟۔ اور وہ بھی اتنے زور و شور سے کہ خواہ مخواہ امریکہ کو اس سے چڑ ہو جائے' خصوصاً جبکہ اسرائیلی حلقے برسر عام کسی بھی ایسے مسلمان ملک کو ختم کرنے کے درپے ہیں جو کسی درجے میں سر اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ بات غور طلب ہے کہ کیا واقعی اسلام سے

"چھٹکارا" ممکن ہے؟ اس سے قطع نظر کہ پاکستانی عوام کی اکثریت کے بارے میں ایسا خیال کبھی دل میں نہیں لایا جا سکتا' تاریخی اعتبار سے یہ ثابت ہے کہ اسلام نوع انسانی کے لئے ابدی ہدایت ہے لہٰذا اس سے روگردانی سرے سے ممکن ہی نہیں۔ اگر ہم اسلام کو چھوڑ بھی دیں تو کوئی اسلام سے ہماری لاتعلقی کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ بوسنیا کے آزاد خیال اور اعتدال پسند یورپی مسلمانوں کا جو حشر ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔

آج جس زوال سے ہم دوچار ہیں اس کے ہوتے ہوئے دنیا کا کوئی بھی سیاسی و معاشرتی نظام یہاں نہیں پنپ سکتا لیکن اسلام کا اس میں کیا قصور ہے!۔ قرآن کی رو سے مسلمان تو ہم میں سے شاید ہی کوئی ہو۔ پاکستان ظاہری خطرے سے دوچار ہے ہی سب سے بڑا خطرہ اندرونی ہے۔ اگر عوام خود اعتمادی سے محروم ہو جائیں تو ساری جسمانی اور روحانی توانائی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ اسلام تو انسانیت کے لئے اللہ کا آخری پیغام ہے اور بالآخر اسی کا بول بالا ہو کر رہنا ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ ہم پاکستانی مسلمان موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہوتے ہیں یا نہیں۔ موجودہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے سب سے پہلے ہمیں اپنے گھر کی خبر لینا ہوگی اور اسلام کے بارے میں اپنی سوچ کو درست کرنا ہوگا۔

اللہ پر ایمان لانے کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی کلی اطاعت۔ اللہ تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہے لہٰذا وفاداری بھی مطلق ہوگی یہاں تک کہ ننانوے اعشاریہ نو فیصد بھی اس کے ہاں قبول نہیں۔ مزید براں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بھی جن کے ذریعے اللہ کا دین ہم تک پہنچا' وفاداری

کلی ہو اور نبی اکرم ﷺ سے وفاداری کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ آخری نبی ہی نہیں' ہمارے روحانی پیشوا اور سیاسی رہنما بھی ہیں۔ اللہ کا دین تو حضور ﷺ پر مکمل ہوگیا مگر اسلام کے سیاسی و معاشرتی نظام کا ارتقاء جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ سے وفاداری کو پرچم کی مثال سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ اگر آپ حضور ﷺ کے وفادار ہیں تو سارے جھنڈے چھوڑ کر آپ حضور ﷺ کے جھنڈے تلے کھڑے ہونگے اور اللہ اور رسول کے حکم کے فرمانبردار ہونگے۔ آپ کا ہر قدم بھلائی کی جانب اٹھے گا۔ مسلم دنیا سے آگے پوری دنیا کی بھلائی پیش نظر ہوگی۔ آپ صحیح معنوں میں نوع انسانی کے لئے رحمت کا پیغام ثابت ہونگے۔ کامیابی جو ہم سے دور بھاگ رہی ہے' ہمارے قدم چومے گی۔ ہماری کامیابی کا راز صرف اور صرف یہی ایک ہے اور اس کے بغیر ہماری وقعت دھیلے کی نہیں۔ اگر ہم اللہ کے وفادار بندے ہیں تو مسلمان ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اسلام میں رخ کے درست ہونے کو بنیادی اہمیت ہے اسی لئے ہمارے لئے زمین پر قبلہ کا تعین کیا گیا۔ گویا رخ صحیح نہ ہو تو ہماری نیکیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔ دیگر تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام جامع ترین راہنمائی پیش کرتا ہے اور وہ ہے "فلاح" نہ کہ "نجات"۔ قرآن میں صرف شریعت نہیں' روح کی تقویت کا سامان بھی ہے۔ روح کے بغیر محض تعزیرات کا نفاذ خالی ڈھول پیٹنے کے مترادف ہے۔

اسلام زندگی کے عام مسائل سے لیکر معاشرتی اور سیاسی سطح پر تمام معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلام کے قوانین محض قوانین نہیں بلکہ انسان کے قلبی سکون اور طمانیت کا ذریعہ ہیں۔ ان سے انسانوں کی بھلائی وجود میں آتی ہے نہ کہ انسانوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔

اسلام یقیناً ہماری روحانی اور دنیاوی زندگی کے لئے ایک خوبصورت توازن پیش کرتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہم اسلام سے دور کیوں بھاگ رہے ہیں؟۔ بلکہ بظاہر بہت بڑے بڑے متقی اور پرہیز گار مسلمان بھی اسلام کے معاشرتی اور سیاسی پہلو پر عمل سے تہی دست نظر آتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے حقیقی ایمان کی کمی۔ قرآن میں تمام مذہبی امور سے زیادہ "تذکیر" پر زور دیا گیا ہے لہٰذا ہم دین اور دنیا دونوں کو مد نظر رکھ کر جب تک پورے اسلام پر جامعیت کے ساتھ عمل پیرا نہیں ہونگے' حقیقی کامیابی کی طرف پیش قدمی نہیں ہوگی۔ اسلام کے کسی حصے کو ماننے اور کسی کو نہ ماننے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج پوری امت انتشار اور تضادات کا شکار نظر آتی ہے خصوصاً پاکستان میں تو اسلام کے معنی ہاتھ کاٹنے اور سود کا خاتمہ لئے جاتے ہیں حالانکہ ایک ظالمانہ نظام کے تحت ہاتھ کاٹنے کی سزا رائج کرنا ظالم کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔ اسی طرح مروجہ استحصالی نظام کے تحت سود کا خاتمہ امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر کرے گا جبکہ اسلام اس لئے سود کو حرام قرار دیتا ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا نوع انسانی کے لئے آخری پیغام ہے لہٰذا جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ اپنے تمام اختیارات اور پسند ناپسند سے دست بردار ہوکر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مطیع کرلیتا ہے۔ ایک مسلمان کو تو خواہی نہ خواہی اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرنا ہے ورنہ باغی اور غدار شمار ہوگا۔ یہی وہ اصول ہے جس کے تحت مرتد کی سزا قتل ہے اور یہ بالکل منطقی بات ہے۔ اگر ہم نبی اکرم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں تو یہ عہد تا قیامت نہیں توڑا جاسکتا۔ جہاں بھی مسلمانوں کی کوئی حکومت اپنی مرضی چلانے کی کوشش کرے گی' اللہ تعالیٰ اسے ختم کردے گا۔ اس کے برعکس دوسرے کسی مذہب اور عقیدے کو ماننے والوں کے لئے راستہ کھلا ہے۔ اسلام سمیت جسے چاہیں قبول کریں یا نہ کریں۔ وہ اگر نیک نیتی سے کوئی غلط عقیدہ اختیار کرتے ہیں تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ در گزر فرمادے مگر مسلمانوں کو یہ رعایت حاصل نہیں۔ بالفاظ دیگر عیسائی' ہندو' یہاں تک کہ ایک ملحد معاشرہ سوشلسٹ یا قومیت پر مبنی نظام حکومت اختیار کرکے ترقی کرسکتا ہے لیکن مسلمان خواہ بڑی نیک نیتی سے ہی کریں' اگر اس طرح کی آزادانہ روش اپنائیں گے تو ناکام و نامراد ہی نہیں راندۂ درگاہ ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے' انسانوں کا قانون نہیں کہ معاملہ ادھر ادھر ہوجائیگا۔

عربوں کی مثال لے لیں۔ گزشتہ پچاس سالوں میں انہوں نے کون سے جتن نہیں کئے۔ ایسے ایسے مسحور کن لیڈر' شاہانہ اقتدار و وسائل کی فراوانی اور دنیاوی لحاظ سے "عرب" سوشلزم" اور "عرب نیشنلزم" جیسے خوشنما نعرے .... مگر ہے کہیں عزت اور وقار نام کی کوئی شے؟۔ ناکامی و نامرادی گویا ان کا مقدر بن گئی ہے۔ کیا ایسا اللہ کی مرضی کے بغیر ہوسکتا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں "شتیلا" اور "صابرہ" کے کیمپوں میں عربوں کا قتل عام "عرب نیشنلزم" کے تابوت میں آخری کیل تھا جس پر مناہم بیگن کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ دنیا والو خود دیکھ لو یہ ہم نہیں' عرب اپنے بھائیوں کو آپ ہی قتل کررہے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر دوسرا راستہ تلاش کرے۔ اسے ہر حال میں صدق دل سے اسلام کی پیروی کرنا ہے۔ اس کے سوا نہ آج تک مسلمان کبھی کامیاب ہوئے ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ یہ محض دھوکے بازی ہے کہ ادھر ادھر سے کچھ مواد حاصل کرکے اس پر اسلام کا لیبل چسپاں کرلیا جائے۔ ہماری

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہج انقلاب نبوی ﷺ

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ • قیمت: اشاعت خاص (مجلد) -/۶۰ اشاعت عام -/۳۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

ساری سوچ اور ہر عمل جب تک صرف اللہ کے لئے نہیں ہوتا دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت و رسوائی ہمارے ساتھ رہے گی۔

اسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور پوری نوع انسانی کے لئے ہے اور اسے قیامت تک رہنا ہے اس لئے اگر ہم اپنے خول میں بند صرف ماضی سے چمٹے رہے اور مستقبل کی فکر نہ کی تو یہ دوسری انتہا ہوگی۔ قرآن اور سنت کی شکل میں ہمارے پاس مکمل ضابطہ حیات موجود ہے۔ اگر ہم اسے بنیاد بناکر جدید دور کے تقاضے پورے کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ہماری نا اہلی ہوگی ورنہ اسلام کا اس میں قصور نہیں۔ اللہ کا کلام موجود ہے جو ابدی ہدایت ہے' اللہ کے رسول ﷺ نے اسے حرف بہ حرف عملاً قائم کرکے دنیا کو دکھا دیا اور اس کے بعد یہ سلسلہ رک نہیں گیا۔ بڑے بڑے آئمہ کرام نہایت قیمتی ورثہ چھوڑ کر گئے ہیں مگر ہم یا تو بالکل لکیر کے فقیر بن کر رہ جائیں گے کہ کسی ایک سے اختلاف بھی کفر ہے یا پھر بالکل ہی شتر بے مہار کی طرح بھاگ کھڑے ہوں گے۔ حرف آخر صرف اللہ کا کلام ہے۔ اگر اس کے علاوہ یہ مقام کسی کو دیا گیا تو وہ صریحاً شرک ہوگا۔ یہ خطرہ موجود ہے کہ ایک دفعہ اجتہاد کا دروازہ کھل گیا تو اسلام دشمن عناصر بھی در آئیں گے مگر اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کے دشمن جو اس وقت خفیہ ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں' ان سے کھل کر مقابلہ ہوگا۔ تمام مسلمان ایک اللہ اور رسول کو مانتے ہیں مگر بالفعل امت قطعاً ایک نظر نہیں آتی۔ وجہ کیا ہے؟۔ ہم قرآن سے راہنمائی اخذ نہیں کرتے اور اگر اخلاص اور صدق نہیں تو قرآن سے راہنمائی ملے گی بھی نہیں۔ نتیجہ کیا ہے؟۔ ہمارے اسلام الگ الگ ہیں اور ہر ایک اپنے اسلام پر مطمئن ہے لہٰذا ضرورت خلوص نیت سے قرآن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی ہے۔ ○○

نبی اکرم کی اصل جلالت قدر اور عظمت شان کو
کوئی نہیں جان سکتا۔ مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"
ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دارومدار ہے
اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے
ہدیہ فی نسخہ ۱۰ روپے۔ تبلیغی مقصد کیلیے یک صد نسخوں پر ۳۰ فی صد کمیشن دیا جائے گا۔

تہذیب کا یہ یورپی گہوارہ!

وزیر اعظم تانسو چلر کے حکومتی پروگراموں پر ترکی کی قومی اسمبلی میں ترک رفاہ پارٹی کے راہنما نجم الدین اربکان کا تبصرہ:

اس وقت دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے سمجھنے کے لئے کون سی ایسی تحقیق درکار ہے جس میں ہم الجھے ہوئے ہیں۔ جو لوگ امن امن کی رٹ لگا رہے ہیں ان سے پوچھئے تو سہی کہ دنیا میں انہوں نے امن نام کی کسی شے کو باقی بھی رہنے دیا ہے؟۔ مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کرکے امریکہ کی فرمانبرداری پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ عراق کی تباہی اور وقفے وقفے سے اس پر میزائلوں کے حملے' لیبیا کی ناکہ بندی' بوسنیا میں مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام اور عورتوں کی عصمت دری' نگورنو کاراباخ پر قبضہ اور آذربائیجان پر مسلسل حملے' قبرص کو بوسنیا بنانے کی تیاریاں' فلسطین' کشمیر' الجزائر اور صومالیہ یہ سب ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کم ہیں؟۔ ابھی کل ہی ہمیں امریکہ کا حکم ملا ہے کہ ترکی ایران کو کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ کوئی شے فروخت نہ کرے۔

ہمیں کہا جاتا ہے کہ یورپ تہذیب کا گہوارہ ہے۔ صدیوں تک جہاں وحشت اور بربریت کا راج رہا ہو اور آج تک وہ ذہنیت نہ بدلی ہو' اسے تہذیب کا گہوارہ کہنے کے کیا کہنے!۔

ہمیں ایسی حکومت چاہئے جو اقوام متحدہ سے مطالبہ کر سکے کہ مسلمانوں کے خلاف کاروائی بند کرو۔ بطرس غالی کو فوراً الگ کیا جائے ورنہ مسلمان اقوام متحدہ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ ترکی کو چاہئے کہ اقوام متحدہ میں تمام مسلمانوں کی نمائندگی کرے اور اگر ہماری بات نہ سنی جائے تو ڈیڑھ ارب مسلمان اپنا الگ ادارہ بنائیں۔

آج اگر صرف یہی چار ممالک' ترکی' ایران' پاکستان اور سعودی عرب یہ اعلان کر دیں کہ بوسنیا کے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ہم میں سے ہر ایک ۲۵ ۲۵ جنگی طیارے البانیہ کے ہوائی اڈے پر اتارے گا تو آپ دیکھیں گے کہ کس طرح فوری رد عمل ہوتا ہے!۔

اخذ و ترجمہ از امپیکٹ انٹرنیشنل۔ اگست' ستمبر ۹۳ء

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکام پاکستان
اشاعت خاص ۵۰ روپے
اشاعت عام ۳۵ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن فون: ۸۵۲۶۱۱
پاکستان کیوں بنا ـــ کیسے بنا
پاکستان کیوں ٹوٹا ـــ کیسے ٹوٹا
اب ٹوٹا تو ...
پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں امید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں ـــ وطن کی محبت
سطر سطر میں ـــ ایمان کی چاشنی
عمل کا پیغام ...
اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

محمد رسول اللہ ﷺ ‘انسانیت جن پر ناز کرتی ہے

عیسائی محقق نے آپ ﷺ کو عظیم ترین انسان قرار دیا

”دی ہنڈرڈ“ کے مصنف مائیکل ہارٹ کا اعتراف حقیقت

مترجم: ڈاکٹر محمد عثمان

”دی ہنڈرڈ“ نام کی کتاب دنیا بھر میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی جس میں مائیکل ہارٹ نے اپنے خیال کے مطابق ان ایک سو عظیم انسانوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جنہوں نے تاریخ انسانی میں انمٹ نقوش چھوڑے اور انسانی معاشروں میں عظیم ترین اور دیرپا تبدیلیاں برپا کیں۔ عیسائی ہوتے ہوئے بھی وہ علمی دیانت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا کہ ہمارے حضور ﷺ کو سرفہرست رکھے۔ مائیکل ہارٹ نے اپنے اس انتخاب کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ اگرچہ اس کی خام خیالی اور آسمانی ہدایت سے محرومی کی دلیل ہیں تاہم وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ عیسائی دنیا اس سے یہ سوال ضرور کرے گی کہ محمد ﷺ کی عظمت کا اعتراف اس انداز میں کیوں کیا گیا ہے۔ ہمارے قارئین کی اکثریت نے مائیکل ہارٹ کے خراج تحسین کا ذکر تو سن رکھا ہو گا لیکن اس کی تحریر بہت کم ساتھیوں کی نظروں سے گزری ہو گی چنانچہ ڈاکٹر محمد عثمان نے بڑی محنت سے ندائے خلافت کے لئے ترجمہ کیا اور ضروری حواشی کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ پڑھنے والے خود ہی دیکھیں کہ پاکستان میں بعض حلقوں کی جانب سے ”ہنڈرڈ“ کو ضبط کرنے کا جو مطالبہ سامنے آیا‘ اس کا کیا جواز تھا... ظاہر ہے کہ مصنف حضور ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پورے ذہنی پس منظر سے الگ تو نہیں ہو سکتا تھا (ادارہ)

تقدیم

(از مصنف)

میں نے اس کتاب میں ان ایک سو شخصیات کے حالات بیان کئے ہیں جنہوں نے میرے خیال میں انسانی تاریخ پر نہایت گہرے اثرات چھوڑے ہیں چنانچہ میری یہ فہرست عظیم ترین انسانوں پر نہیں بلکہ تاریخ کے موثر ترین انسانوں پر مشتمل ہے۔ ان میں ظالم اور بے رحم بھی ہیں اور شریف النفس بھی۔

میں نے ان ایک سو شخصیات کی‘ ان کی تاریخی اہمیت کے اعتبار سے درجہ بندی کی ہے یعنی ان میں سے ہر ایک نے انسانی تاریخ اور عوام الناس کی زندگیوں پر کس قدر اثر ڈالا۔

(مصنف نے اس درجہ بندی میں جناب محمد ﷺ کو سرفہرست رکھا ہے۔ یہاں حضور اکرم ﷺ پر مصنف کے مضمون کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مترجم)

محمد رسول اللہ ﷺ

بعض قارئین حیران ہوں گے کہ میں نے محمد (ﷺ) کو تاریخ انسانی پر اثر انداز ہونے والی اہم ترین شخصیات کی فہرست میں سب سے اوپر رکھا ہے اور کچھ تو میرے اس فیصلے پر چیں بجبیں بھی ہوں گے لیکن امر واقعہ ہے کہ محمد (ﷺ) تاریخ انسانی میں اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ وہ مذہبی اور دنیوی دونوں سطح پر کامیاب ترین انسان ہیں۔

محمد (ﷺ) نے جو ایک معمولی خاندان کے فرد تھے‘ ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی جس کا شمار دنیا کے عظیم مذاہب میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اس کو پھیلایا اور بذات خود ایک نہایت موثر سیاسی راہنما ثابت ہوئے۔ ان کی وفات کے تیرہ سو سال بعد آج بھی ان کی شخصیت کا اثر لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

جن شخصیات کے حالات اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں ان میں سے اکثر کو یہ سہولت ملی کہ وہ تہذیب و تمدن کے مراکز میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ وہ ایسی اقوام سے تعلق رکھتے تھے جن کو سیاسی اور تمدنی لحاظ سے دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جبکہ محمد (ﷺ) کی پیدائش ۵۷۰ء میں جنوبی عرب میں ہوئی جو دنیا کا ایک نہایت پسماندہ علاقہ تھا اور تجارت اور علوم و فنون کے مراکز سے کہیں دور تھا۔

محمد (ﷺ) چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے اور ان کی پرورش ایک سیدھے سادھے اور معمولی ماحول میں ہوئی۔ اسلامی روایات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ان پڑھ تھے۔ ان کی مالی حالت اس وقت بہتر ہوئی جب پچیس سال کی عمر میں ایک دولتمند بیوہ سے ان کی شادی ہو گئی۔ تاہم چالیس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے بظاہر ان میں غیر معمولی شخصیت ہونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔

اس زمانے میں اہل عرب کی اکثریت بت پرست تھی۔ یہ لوگ بہت سے دیوتاؤں کو پوجتے تھے لیکن مکہ میں ایک قلیل تعداد یہود و نصاریٰ کی بھی تھی۔ بلاشبہ محمد (ﷺ) نے ایک اللہ‘ قادر مطلق کا تصور جس کی تمام کائنات پر حکومت ہے‘ انہی یہود و نصاریٰ سے حاصل کیا ہو گا۔ ا

محمد (ﷺ) جب چالیس کے ہوئے تو ان کو نہایت وثوق کے ساتھ یہ احساس ہوا کہ وہی خدائے واحد ان سے ہم کلام ہے اور اس نے انہیں اپنے سچے دین کی تبلیغ کے لئے منتخب کر لیا ہے۔

تین سال تک محمد (ﷺ) اپنے قریبی دوستوں اور ساتھیوں میں دین کی تبلیغ کرتے رہے پھر ۶۱۳ء کے لگ بھگ انہوں نے علانیہ تبلیغ شروع کر

دی اور آہستہ آہستہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے جس کے باعث مکہ کے سردار محمد (ﷺ) کو اپنے لئے شدید خطرہ تصور کرنے لگے۔ چنانچہ ۶۲۲ء میں محمد (ﷺ) نے اپنی جان بچانے کے لئے مدینہ کی طرف راہ فرار اختیار کی جہاں ان کو ایک اہم عہدہ پیش کیا گیا جو ان کے لئے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بنا۔

یہ فرار (Flight) جسے ہجرت کہا جاتا ہے محمد (ﷺ) کی زندگی میں سنگ میل ہے۔ مکہ میں ان کے پیروؤں کی تعداد نہایت قلیل تھی لیکن مدینہ میں ان کی تعداد بہت ہو گئی اور جلد ہی انہوں نے اتنی سیاسی طاقت حاصل کر لی جس نے محمد (ﷺ) کو عملاً ڈکٹیٹر بنا دیا۔ آنے والے چند سالوں محمد (ﷺ) کے پیروؤں میں تیزی سے اضافہ ہوا اور مدینہ اور مکہ کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا جو ۶۳۰ء میں ختم ہوا جب محمد (ﷺ) ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ان کی زندگی کے باقی ماندہ اڑھائی سال کی مدت نے عرب قبائل کے جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا نظارہ دیکھا اور جب محمد (ﷺ) کی وفات ۶۳۲ء میں ہوئی تو وہ اس وقت تمام جنوبی عرب کے طاقتور حکمران تھے۔

عرب کے بادیہ نشین جو نہایت جنگجو ہونے کی شہرت رکھتے تھے لیکن اپنی کم تعداد' باہمی نااتفاقی اور جنگ و جدال کی وجہ سے شمالی عرب کے شاداب علاقوں کی حکومتوں کی افواج کے ہم پلہ نہ تھے لیکن تاریخ میں پہلی بار محمد (ﷺ) کے زیر اثر ان کا باہمی اتحاد وجود میں آیا اور خدائے واحد پر یقین کامل رکھنے والے عربوں کی مختصر افواج نے انسانی تاریخ کی نہایت حیرت انگیز فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ عرب کے شمال مشرق میں ایران کی سلطنت اور شمال مغرب میں سلطنت روم جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا' واقع تھی۔ تعداد کے لحاظ سے عرب افواج کی اپنے حریفوں کے سامنے کوئی حیثیت نہ تھی لیکن میدان جنگ میں پرجوش عربوں نے سرعت کے ساتھ عراق کا سارا علاقہ' شام اور فلسطین فتح کر لیا اور ۶۴۲ء میں مصر رومی حکومت سے بزور حاصل کر لیا جبکہ ایرانی افواج کو جنگ قادسیہ (۶۳۷ء) اور جنگ نہاوند (۶۴۲ء) میں کچل دیا گیا۔

ان عظیم فتوحات جو محمد (ﷺ) کے قریبی دوست اور جانشین ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور ان کے بعد عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے دور میں حاصل ہوئیں' کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ ۷۱۱ء تک عرب افواج شمالی افریقہ میں برق رفتاری سے گزرتی ہوئی بحراوقیانوس تک جا پہنچیں۔ وہاں سے انہوں نے شمال کا رخ کیا اور آبنائے جبل الطارق کو عبور کرنے کے بعد اسپین میں داخل ہو گئیں اور وہاں کی عیسائی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان تمام مسیحی یورپ کو فتح کر لیں گے لیکن ۷۲۳ء کے مشہور معرکہ طورس (Battle of Tours) میں مسلمانوں کو جو وسط فرانس تک پہنچ چکے تھے' شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تاہم ان بادیہ نشینوں نے جن میں ان کے پیغمبر کی تعلیمات نے نئی روح پھونک دی تھی' ایک ایسی سلطنت قائم کر دی جو ہندوستان کی سرحدوں سے بحراوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی...ایک ایسی عظیم الشان مملکت جو اس سے پہلے چشم فلک نے نہیں دیکھی تھی۔!...ان تمام مفتوحہ علاقوں میں کثرت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

یہ تمام فتوحات پائیدار ثابت نہیں ہوئیں۔ ایرانی اگرچہ اسلام پر تو قائم رہے لیکن انہوں نے عربوں سے اپنی سابقہ آزادی حاصل کر لی۔ اسپین میں سات سو سال سے زیادہ جنگ و جدال کے نتیجے میں مسیحیوں نے جزیرہ نمائے اسپین پر دوبارہ قبضہ کر لیا لیکن عراق اور مصر جو قدیم تہذیب کے گہوارے رہے تھے' اب عربوں کے باقیات ہیں اور یہی حال افریقہ کے تمام شمالی ساحلی علاقہ کا ہے۔

اس اثنا میں یہ نیا مذہب مسلسل پھیلتا گیا اور اس کا دائرہ ابتدائی مسلم فتوحات کی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ موجودہ زمانے میں افریقہ اور وسطی ایشیاء میں اس کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے اور پاکستان' شمالی ہند اور انڈونیشیا میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ انڈونیشیا میں یہ مذہب قومی یک جہتی کا بنیادی عنصر ہے لیکن برصغیر ہند میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مذہبی آویزش ان کی یک جہتی میں بڑی رکاوٹ کا باعث ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں محمد (ﷺ) کے انسانی تاریخ پر اثرانداز ہونے کا تعین کرنا کہاں تک ممکن ہے؟ ..تمام مذاہب کی طرح اسلام بھی اپنے پیروؤں کی زندگیوں پر عظیم اثرات ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے بانی اس کتاب میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ شروع میں یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیوں کی تعداد دنیا میں مسلمانوں سے دگنی ہے لیکن محمد (ﷺ) کو درجہ بندی میں عیسیٰؑ سے پہلے رکھا گیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے اسلام کی نشوونما میں جو کردار ادا کیا ہے وہ عیسیٰؑ کے اس کردار سے کہیں زیادہ اہم ہے جو انہوں نے نصرانیت کے لئے کیا۔ اگرچہ عیسیٰؑ نے نصرانیت نے اخلاقی قوانین وضع کئے (جو یہودیت سے مختلف تھے) لیکن یہ پولوس تھا جس نے نصرانی مذہب کی نشوونما اور اس کی توسیع میں نمایاں کردار ادا کیا اور جو بائبل کے عہد نامہ جدید کے بڑے حصہ کا مصنف بھی ہے۔ اس کے برعکس محمد (ﷺ) اسلام کے عقائد کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کے بھی بانی اور روح رواں تھے نیز انہوں نے اسلام کے پھیلانے میں بہ نفس نفیس کلیدی کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں وہ مسلمانوں کی مقدس کتاب کے مصنف بھی تھے جو ان کی بصیرت کا نتیجہ تھا لیکن جس کے بارے میں ان کا یقین تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ان پر وحی کیا گیا تھا۔ ان کے اقوال ان کی زندگی میں کم و بیش ٹھیک ٹھیک نقل کئے گئے اور ان کی وفات کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ اقوال مستند شکل میں مرتب کئے گئے لہٰذا قرآن محمد (ﷺ) کے افکار و تعلیمات کا مجموعہ ہے مے لیکن قرآن کی مانند عیسیٰؑ کی تعلیمات مدون شکل میں باقی نہیں رہی ہیں۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی بائبل کی نصرانیوں کے نزدیک۔ تاہم گمان غالب ہے کہ محمد (ﷺ) کے اسلام پر اثرات عیسیٰؑ اور پولوس کے نصرانیت پر مجموعی اثرات سے زیادہ ہیں۔ خالص مذہبی سطح پر محمد (ﷺ) انسانی تاریخ میں اتنے ہی بااثر نظر آتے ہیں جتنے عیسیٰؑ' لیکن محمد (ﷺ) عیسیٰؑ کے برعکس صرف دینی ہی نہیں بلکہ دنیوی راہنما بھی تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ عربوں کی فتوحات کے روح رواں محمد (ﷺ) تھے اور ان فتوحات نے آپ کو تاریخ انسانی کے موثر ترین سیاسی راہنما کے مقام پر فائز کر دیا ہے۔

بہت سے تاریخی واقعات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ناگزیر تھے اور ان کا وقوع پذیر ہونا ان سیاسی رہنماؤں کے بغیر بھی اٹل تھا جنہوں نے ان واقعات کی طرف راہنمائی کی تھی۔ مثال کے طور پر جنوبی امریکہ کے نوآباد علاقے غالباً اسپین سے آزادی حاصل کر ہی لیتے اگر ان کے راہنما سائمن بولیور (Simon Bolivor) کا وجود نہ بھی ہوتا۔ لیکن یہ

بات عربوں کی فتوحات کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اس طرح کی فتوحات محمد (ﷺ) سے پہلے کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئی تھیں لہٰذا یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ فتوحات محمد (ﷺ) کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی تھیں۔ [3] ان فتوحات کا موازنہ اگر کیا جا سکتا ہے تو تیرھویں صدی عیسوی میں منگولوں کی فتوحات سے' جو بنیادی طور پر چنگیز خاں کے اثرات کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئیں۔ یہ فتوحات عربوں کی فتوحات سے زیادہ وسیع تھیں لیکن پائیدار ثابت نہ ہو سکیں اور آج جو علاقے منگولوں کے پاس ہیں وہ وہی ہیں جو چنگیز خاں سے پہلے ان کے پاس تھے۔

عرب فتوحات کے معاملہ اس سے مختلف ہے عراق سے مراکش تک عرب اقوام کا ایک پورا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ عرب اقوام نہ صرف اسلام کے رشتے سے آپس میں متحد ہیں بلکہ عربی زبان' تاریخ اور ثقافت بھی ان کے باہمی اتحاد کا ذریعہ ہیں۔ ان کے مذہب اسلام میں قرآن کی مرکزی حیثیت اور اس کا عربی زبان میں لکھا ہوا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس نے گزشتہ تیرہ صدیوں کے دوران عربی زبان کو ناقابل فہم بولیوں میں تقسیم ہونے سے بچائے رکھا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ عرب ریاستیں باہمی اختلاف و تفرقہ کا شکار ہیں لیکن ان کی یہ جزوی نااتفاقی ہمیں (غیر مسلم اقوام) ان کے اتفاق کے ان اہم عناصر سے صرف نظر کرنے کا سبب نہ بنائے جو اب تک برقرار ہیں۔ مثال کے طور پر ایران اور انڈونیشیا جو تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک ہیں' ۷۴-۱۹۷۳ء میں تیل کی تجارت ممنوع قرار دینے کے کنسورشیم میں شریک نہیں ہوئے جبکہ تمام عرب ممالک نے اس میں شرکت اختیار کی۔

مختصر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی کی عرب فتوحات انسانی تاریخ میں عہد حاضر تک مسلسل اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ یہ مذہبی اور دنیوی اتحاد کے اثرات ہیں جن کی نظیر نہیں اور جو میرے خیال میں محمد (ﷺ) کو انسانی تاریخ کی موثر ترین ہستی ہونے کا مستحق ثابت کرتی ہے۔

[1] : مصنف کی یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد (ﷺ) کا یہود و نصاریٰ سے رابطہ مشرکین مکہ سے پوشیدہ رہا؟۔ اگر اس کی بھنک بھی مشرکین کو ملتی تو وہ رائی کا پہاڑ بنا کر یہ پراپیگنڈا کرنے میں ذرا بھی دریغ نہ کرتے کہ محمد (ﷺ) نے معاذ اللہ ان یہود و نصاریٰ سے علم حاصل کیا اور پھر نبی بن بیٹھے.....(مترجم)

[2] : مصنف کا قرآن مجید کو حضور اکرم ﷺ کی تصنیف قرار دینا کوئی نئی بات نہیں' یہ مشرکین کی پرانی سنت ہے جو چودہ سو سال سے چلی آ رہی ہے چنانچہ مشرکین مکہ بھی قرآن کو آپ کا گھڑا ہوا کلام کہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ منکرین اس طرح کا کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ سچے ہیں"۔ (سورۂ طور: آیت ۳۴)...... یہ چیلنج تین مرتبہ مکہ معظمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں دہرایا گیا (ملاحظہ ہو۔ ہود: ۱۳' یونس: ۳۸' بنی اسرائیل: ۸۸ اور بقرہ: ۲۳) لیکن کوئی شخص بھی اس کا جواب دینے کی جراءت نہ اس وقت کر سکا اور نہ اس کے بعد آج تک کسی کو یہ جراءت ہوئی کہ قرآن کے مقابلے میں کوئی انسانی تصنیف پیش کر سکے......(مترجم)

[3] : مصنف کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات تھیں جنہوں نے ان فتوحات کے لئے راہ ہموار کی......(مترجم)

بقیہ تراشے

اس میں کیا شک ہے لیکن فیصلہ کیا کرنا ہے؟ اس پنچ نے پھر کہا جو کچھ بھی ہے یہ الو تو ہماری اپنی آبادی کا ہے۔ ہمارے کام آئے گا۔ اس لئے فیصلہ تو اسی کے حق میں ہونا چاہئے۔ ساری پنچایت نے ہاں میں ہاں ملائی اور یہی فیصلہ دیا کہ ہنس کا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے اور الو نے اپنی ہی مادہ کو ہنس سے نجات دلائی ہے۔

اب الو نے ہنس کی جانب دیکھا اور کہا تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ عذاب میری نحوست کی وجہ سے نہیں آیا ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے عذاب آنے کی وجہ دیکھ لی ہے۔ اب اپنی مادہ کو لو اور یہاں سے غائب ہو جاؤ۔

رات ختم ہونے پر یہ کالم بھی ختم ہوا۔ صرف یہ بات لکھنی رہ گئی کہ ہر قوم کے دانشور کا یہ قول ہے کہ جس معاشرے میں انصاف کا انتظام نہ ہو وہ بالآخر عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور انصاف کے یہ دو پہلو ہیں کہ ملزم پر مقدمہ چلے اور عدالت سچائی پر فیصلہ کرے۔ اللہ میرے ملک کو امان میں رکھے۔

فحاشی کے خلاف مہم نعرے درکار ہیں

قومی سطح پر فحاشی و عریانی کے خلاف موثر مہم کا آغاز ہو چکا ہے۔ بینروں' سٹکروں اور چاکنگ کے لئے قرآن و سنت کی تعلیمات' اخلاقی' علاقائی اور سماجی روایات کی بنیاد پر دلچسپ نعرے' سلوگن' اور فقرات درکار ہیں۔ مختصر' جامع اور غیرت کو جھنجھوڑنے والے نعرے اولین فرصت میں بھیج کر قومی و مذہبی فریضہ ادا کیجئے۔

اکرام الحق جاوید۔ کنوینر
تحریک انسداد فحاشی پاکستان
پوسٹ بکس 1430 راولپنڈی

بقیہ ملک گیر دورے

جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

اگلے روز صبح ۹ بجے قرآن اکیڈمی ملتان میں خلافت کمیٹی حلقہ ملتان ڈویژن کے اراکین کی میٹنگ ہوئی۔ محترم جنرل صاحب سے اراکین کا تعارف کروایا گیا۔ اراکین نے تحریک کے حوالے سے بعض معاملات پر اظہار خیال کیا۔ آخر میں جنرل صاحب نے تحریک کو منظم کرنے' تحریک کی دعوت کو عام کرنے اور معاونین سے زر تعاون کی وصولی کے ضمن میں مفصل ہدایات دیں۔

۱۲ بجے دن ملتان پریس کلب میں پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تحریک کے زعماء مقررہ وقت پر پریس کلب پہنچ گئے' جبکہ تھوڑی ہی دیر میں تمام اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹو گرافر بھی ہال میں پہنچ گئے اور پورا ہال بھر گیا۔ جنرل صاحب نے موجودہ حالات کے حوالے سے تحریک خلافت کا موقف واضح کیا اور صحافیوں کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

OO

والٹن میں جلسہ خلافت

انتخابی سرگرمیوں کی گہما گہمی میں بھی سنجیدہ باتیں سنی جاتی ہیں

تحریک خلافت کا مقصد عوام الناس کو اصل نظام اسلامی یعنی نظام خلافت سے متعارف کروانا ہے تاکہ وہ اس کی فیوض و برکات سے اس درجہ آگاہ ہوں کہ کوئی بہروپیہ انہیں اسلام کے نام پر دھوکہ نہ دے سکے۔

اس پیغام کو عام کرنے کے لئے تحریک خلافت نے ملک بھر میں جلسوں اور جلوسوں کا سلسلہ اپنے آغاز کے روز اول سے ہی شروع کر رکھا ہے۔ اسی سلسلے کا ایک جلسہ ۲۶ اگست بروز جمعرات لاہور میں والٹن روڈ پر بھی ہوا جس کا اہتمام تحریک خلافت لاہور شرقی نے کیا تھا اصل جلسہ کی تیاریوں میں اہم کردار ہمارے رفیق محترم حبیب الرحمٰن صاحب نے ادا کیا۔ ان کی شب و روز کی محنت و کاوش سے یہ جلسہ کامیاب ہوا۔

جلسہ گاہ کے انتظامات تسلی بخش تھے۔ جلسہ گاہ کو مختلف بینروں کے ساتھ مزین کیا گیا تھا جو تحریک خلافت کے پیغام کو نمایاں کر رہے تھے مثلاً جمہوریت نہیں خلافت' سرمایہ داری نہیں سرمایہ کاری اور انتخاب نہیں انقلاب وغیرہ وغیرہ۔ تحریک خلافت کے جلسوں میں حاضرین کی تعداد وہ پیمانہ نہیں جس سے عام جلسوں کی حیثیت متعین کی جاتی ہے تاہم ہمارے جلسوں میں حاضری مناسب ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت سنجیدگی و متانت کے اس ماحول کو حاصل ہے جو سامعین کے قلوب و اذہان میں دلیل اور برہان کے ساتھ ایک سنجیدہ پیغام اتارنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں دوسری جماعتوں کی طرح "زندہ باد اور مردہ باد" کے نعرے نہیں ہوتے۔ والٹن کا یہ جلسہ حاضری کے اعتبار سے بھی کامیاب جلسہ تھا اور ہمارے معیار مطلوب سے بھی۔

والٹن کے جلسہ خلافت کی صدارت تحریک خلافت کے ناظم اعلیٰ جناب جنرل محمد حسین انصاری صاحب نے کی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کا شرف محترم حبیب الرحمٰن صاحب کو حاصل ہوا۔ انہوں نے متعلقہ آیات کی مختصر تشریح بھی کی اور احادیث نبوی کی روشنی میں خلافت کی نوید سنائی۔ انہوں نے دوسرے تمام نظاموں کی شکست وریخت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج انسان چار و ناچار نظام خلافت کی طرف جارہا ہے۔ ظلم و ستم کی یہ اندھیری رات صبح عدل کی نوید سنا رہی ہے (الیس الصبح بقریب) اگلے مقرر جناب سید معین الدین شاہ صاحب ایڈووکیٹ تھے جو تحریک خلافت پاکستان کے مرکزی ناظم بیت المال بھی ہیں۔

جناب شاہ صاحب نے موجودہ سیاسی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ انتخابات کے راستے نظام اسلامی کے نفاذ کی منزل سر نہیں کی جاسکتی۔ انہوں نے گزشتہ چار پانچ ماہ کے سیاسی بحران کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کے ہم بھی ذمہ دار ہیں۔ یہ ہمارے نمائندے تھے جو گھوڑوں کی طرح بکتے رہے اور آج پھر نئے لیبل لگا کر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ نظام خلافت کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے سید معین الدین شاہ صاحب نے کہا کہ آج دنیا کے ہر خطے میں مسلمان اقلیتوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں لیکن اس گئے گزرے دور میں بھی کسی مسلمان ملک میں اقلیتوں پر ظلم نہیں ہو رہا بلکہ انہیں تمام حقوق حاصل ہیں۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اسلام ہی امن و آشتی اور عدل و انصاف پر مبنی نظام دیتا ہے۔ اگر نظام خلافت اپنے تمام تقاضوں کے ساتھ نافذ ہوجائے تو سونے پر سہاگہ ہوگا اور انسانیت واقعتاً سکھ کا سانس لے گی۔

آخری مقرر صدر مجلس جنرل ریٹائرڈ محمد حسین انصاری صاحب تھے۔ جناب انصاری صاحب خود انتخابی سیاست کی دلدل سے نکل کر آئے ہیں اور ۱۹۸۸ء میں قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ انصاری صاحب نے انتخابی سیاست کے کھیل کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ گویا "میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل" کے مصداق وہ انتخابی سیاست کی خامیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ جناب محمد حسین انصاری نے اپنی تقریر کے شروع میں ہی یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھی کہ انتخابات کے موسم میں ہم جلسے کیوں کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تحریک خلافت کا انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہماری یہ رائے علی وجہ البصیرت ہے کہ اس راستے سے اسلام کا بھلا نہیں ہوگا۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اس انتخابی موسم میں آپ کو اسلامی نظام کے صحیح تصور سے آگاہ کیا جائے۔ جناب انصاری نے انتخابی کھیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کھیل میں کامیابی شریف آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ انتخابات جیتنے کے لئے کروڑں روپے کی ضرورت ہے جو ایک شریف آدمی کے بس میں نہیں ہے۔ ہم انتخابات کی اس گہما گہمی میں آپ تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں تاکہ آپ لوگ غور و فکر تو کریں کہ نصف صدی کے انتخابی فعل نے ہمیں کیا دیا ہے۔

سٹیج سیکریٹری کے فرائض تحریک کے نوجوان مقرر مرزا ندیم بیگ نے ادا کئے جو ڈسکہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مختصر وقفوں میں حاضرین کا لہو گرمایا۔ ہمارے مقررین کی ٹھنڈی ٹھنڈی باتوں کے درمیان جوش و جذبے کو بیدار رکھنے والی اس طرح کی "خوراکیں" لہو گرم رکھنے کا بہانہ بن جاتی ہیں۔ جلسہ اپنے مقررہ وقت پر اختتام پذیر ہوا۔ جلسہ کا اختتام اجتماعی دعا کے ساتھ ہوا۔ تحریک خلافت کے سیکریٹری جناب عبد الرزاق صاحب نے دعا کرائی۔

فیصل آباد میں جلسہ خلافت

بروز جمعہ ۱۰ ستمبر بعد نماز عشاء

محفوظ پارک 'نزد بابر چوک' پیپلز کالونی نمبر ۲

خصوصی خطاب: میجر جنرل ریٹائرڈ محمد حسین انصاری

ان کے علاوہ

چوہدری رحمت اللہ بٹر اور عبد الرزاق صاحب بھی خطاب فرمائیں گے

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

عزیز ساتھی!

(تحریک خلافت پاکستان کے کارکن ساتھیوں کی خدمت میں ان کی ایک بہن فرزانہ کی طرف سے---- ہماری اس بہن کا کہنا ہے کہ یہ آزاد نظم جماعت اسلامی کے حلقے سے متعلق کسی شاعر کی ہے جس کا نام اب ان کے پاس موجود نہیں---- شاعر کا نام بھی معلوم ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ اس کا پیغام تو آپ تک پہنچ ہی گیا----)

حیات کے اس رواں سفر میں
بہت منازل سے گزرے ہو گے
سفر کی لمبی مسافتوں میں
بہت مراحل کو دیکھا ہو گا
یہ آج کل کی تمہاری دنیا
نظر تمہیں بھی تو آتی ہو گی
صداقتوں کی شکستہ حالی
حسین قدروں کی پائمالی
یہ بے حسی کے دبیز پردے
بلند سوچوں کے خشک سوتے
ہر اک قدم پہ یہ حق کا مٹنا
نفوذ باطل کا تیز بڑھنا
تمہارا دل بھی دکھاتا ہو گا
لہو کے آنسو رلاتا ہو گا
تمہاری خواہش بھی ہوتی ہو گی
کہ ظلمتوں کے کڑے یہ حلقے
بس اک چھناکے سے ٹوٹ جائیں
یہ نفرتوں کے جو سلسلے ہیں
یہ چاہتوں میں بدل ہی جائیں
محبتوں کے گلاب مہکیں
پھر اس چمن کے طیور چہکیں
یہ شب کی تاریکی ختم ہو کر
سحر کی روشن نوید دے دے
عزیز ساتھی!
تم اس لمحے میں
ضرور اپنا حساب کرنا
سویری صبح کی نمو کی خاطر
ہیں کتنے ابتک قدم بڑھائے؟
تم اپنی کتنی حسین سوچیں
عمل کے سانچے میں ڈھال پائے؟
فضا کی تاریکی ہو جو گہری
تو چند کرنیں بہت ہی کم ہیں
طویل گر جو سفر ہو اپنا
یہ چند قدم تو بہت ہی کم ہیں
عزیز ساتھی!
اگر اس لمحے محاسبے میں
عمل کا سرمایہ کم لگے اور
وہ سوز پنہاں وہ چند قطرے
ندامتوں کی تہوں سے بہہ کر
تمہارے عارض پہ پھیل جائیں
یادوں میں رک رک کے چبھتے جائیں
تو یہ سمجھنا
کہ دل کے جذبے جواں ہیں اب بھی
یقین کے دھارے رواں ہیں اب بھی
عزیز ساتھی!
ارادے باندھو عمل میں ڈھالو
اکیلی خواہش تو اک خلش ہے
خلش کو جذبہ کی آنچ دے کر
تم اس کو پختہ عزم بناؤ
خود اٹھو اوروں کو اٹھاؤ
تم اپنی رفتار کو بڑھاؤ
فضا میں تاریکی بڑھ گئی ہے
سحر کی روشن نمو کی خاطر
تم اپنے مالک کا نام لے کر
بلند خیالوں کی حدتوں سے
حسین جذبوں کی شدتوں سے
سکوت محفل کو سوز دے دو
گماں کو پختہ سہار دے دو
حسین منزل کے کچھ تقاضے
وہ آگے والے بتا گئے ہیں
وہ اپنے قدموں کی روشنی سے
یہ واضح رستہ دکھا گئے ہیں
حسین منزل کی انتہا سے
تمہاری ہمت بڑھا رہے ہیں
قریب اپنے بلا رہے ہیں
سکھا گئے ہیں بتا رہے ہیں
کہ جاں ہو جس کی یہ اس کا حق ہے
کہ اس کی راہ میں نثار کر دو
رضائے خالق کے واسطے تم
کٹھن سفر اختیار کر لو
وہ زخم روح ہو یا اذیت جسم
اجر میں اپنے شمار کر لو
تمہیں یہ دنیا سنوارنی ہے
فضائے گلشن نکھارنی ہے
صداقتوں کو بلند کرنا
گروہ باطل سے جنگ کرنا
وقار انساں کو ہے بڑھانا
ہر اک قدم پہ دیئے جلانا
قرینہ بندگی سکھانا
وفا کے پھولوں کو ہے کھلانا
اجالا کچھ دور تو نہیں ہے
تمہاری منزل یہیں کہیں ہے
تمہارے عزم و یقیں کی حد تک
تمہارے جہد و عمل کی حد تک
تو جلد اٹھو عزیز ساتھی!
غبار منزل کو دور کر دو
وہ جذبہ جس کی تڑپ ہو سچی
وہ جس کا مظہر طلب کی تیزی
تم اس کو زاد راہ بناؤ
بس آگے ہی آگے بڑھتے جاؤ
زمانہ ہے منتظر تمہارا
اجالا ہے منتظر تمہارا
خدائے برتر بھی ہے تمہارا
انشاء اللہ تعالیٰ!!!